(وعظ میرٹھ)

(حصول جنت کا طریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	طلب اور ذریعہ	۸
۲	اسباب اور آخرت	۱۰
۳	اعمال صالحہ کا اثر	۱۲
۴	دنیوی اسباب پر نتیجہ کا مرتب ہونا	۱۳
۵	اخروی اسباب پر نتیجہ مرتب ہونا	۱۴
۶	طلب جنت کا ذریعہ	۱۵
۷	حال وکمال	۱۶
۸	حصول جنت کے طریقے	۱۸
۹	طالبین جنت کی اقسام	۲۰
۱۰	محویت اور بے خودی	۲۲
۱۱	عارفی اور اہل حال میں فرق	۲۳
۱۲	منتہی کا حال	۲۴
۱۳	مبتدی اور منتہی کا فرق	۲۴
۱۴	اولیائے کاملین کا حال	۲۵
۱۵	طلب جنت کا گر	۲۷
۱۶	افراط خوف اور کفر	۳۰

۱۷	بغیر استاد کتاب پڑھنے کا نقصان	۳۱
۱۸	رہبر کامل کی ضرورت	۳۲
۱۹	شیخ کی راہنمائی کا فائدہ	۳۳
۲۰	خوف محمود	۳۴
۲۱	بڑھاپے میں امید جوانی میں خوف کو غالب رکھے	۳۵
۲۲	ضرورت غور وفکر	۳۵
۲۳	فریب نفس اور اتباع نفس	۳۷
۲۴	نفس کی چالاکیاں	۳۸
۲۵	اسراف اور فیشن	۳۹
۲۶	شوہروں کی چال	۴۰
۲۷	احسانات اور کفران نعمت	۴۲
۲۸	لوگوں کی تاویلات	۴۴
۲۹	گناہ کے دنیاوی نقصانات	۴۵
۳۰	نیکی کا فائدہ	۴۶
۳۱	طاعت کا اثر	۴۷
۳۲	ریا اور عبادت	۴۸
۳۳	طالب علموں سے لوگوں کا برتاؤ	۵۰
۳۴	طلباء کی دلداری کی ضرورت	۵۰
۳۵	طلباء کو فہمائش کا طریقہ	۵۱

۳۶	طلباء سے مشفقانہ برتاؤ	۵۱
۳۷	ایمانداری کی مثال	۵۲
۳۸	نیک نیتی اور بدنیتی کی مثال	۵۳
۳۹	ایثار کی نادر مثال	۵۵
۴۰	اتباع ہواء	۵۵
۴۱	محبت الٰہی اور مصلحت دنیوی	۵۷
۴۲	اتباع حق کی ضرورت	۵۸
۴۳	مسلمان کی شان	۵۹
	اتباع کی چیزیں	۶۰
	صحیح طریق تعلیم	۶۲
	نئی تراش خراش	۶۴
	خواہش نفسانی کا علاج	۶۵
	طاعت کی لذت	۶۷
	طاعت کی تدبیر	۶۹

(وعظ میرٹھ)

(حصول جنت کا طریقہ)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ہدیٰ وہویٰ سے متعلق یہ وعظ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ کو بعد مغرب محلّہ کوتلہ میرٹھ میں ارشاد فرمایا ڈھائی گھنٹے میں ختم ہوا مضمون تھا کہ جنت مطلوب ہے اس کا ذریعہ ہے ترک ہوا اس کا معین ہے خوف اس کا طریق ہے مراقبہ جب مراقبہ کیا خوف پیدا ہوا اس سے خواہش نفسانی چھوٹ گئی اس پر نتیجہ مرتب ہو۔ ''فان الجنۃ ھی المأویٰ'' پس جنت اس کا ٹھکانہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس طریقہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلیل احمد تھانوی

6-12-2013

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ ﴾(۱)

’’اور جو شخص دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا‘‘۔

طلب اور ذریعہ

یہ آیت سورۂ ’’والنازعات‘‘ کی ہے۔اس میں حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے جس کا ہر شخص خواستگار ہے جس کو ذرا بھی اطلاع اس کی ہوجائے وہ مفتون (۲) ہوجائے۔

مگر پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ کسی چیز کی خواہش معتبر جب ہی ہوتی ہے کہ جب اس کے ذرائع میں بھی سعی (۳) کی جائے۔ جو شخص کسی شے کا طالب ہو مگر اس کے

(۱) النزعات:۳۹ (۲) دیوانہ (۳) کوشش۔

اسباب حاصل نہ کرے اس کو اس شے کا طالب نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً کوئی مالدار ہونا چاہے مگر جب اس سے کہیں ان علوم کو حاصل کر جو اکتساب (۱) روپیہ کے لئے ضروری ہیں پھر کسی واقف کار کی صحبت میں رہ کر ان علوم پر عمل یعنی اکتساب (۲) میں مہارت ہو پھر کوئی کام شروع کر اور آمدنی اور خرچ کا حساب رکھ کر خرچ آمدنی سے کم رہے تاکہ کچھ پس انداز (۳) ہو اور تھوڑا تھوڑا جمع ہوکر ایک رقم ہو جاوے اور تمول (۴) حاصل ہو تو کہتا ہے واہ صاحب مجھ سے علوم میں محنت نہیں ہوتی کسی کے نخرے کیوں اٹھائے جانے لگے۔ پھر پابندی کا بار خواہ مخواہ اپنے اوپر کیوں لوں اور خرچ کو محدود کر کے دل کو کیوں ماروں جتنا جی چاہے گا خرچ کروں گا اس شخص کو تمول کا طالب نہیں کہتے اس کو بوالہوس کہتے ہیں (۵)۔

یا کوئی شخص جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے مگر ان راستوں کو نہیں اختیار کرتا جن سے جامع مسجد میں پہنچے اور قدم نہیں بڑھاتا تو یہ شخص جامع مسجد میں کیسے پہنچے گا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثواب کا طالب ہے؟

یا کوئی شخص چاہتا ہے کہ غلہ اس کے پاس آجائے اور جب کہتے ہیں کھیتی کر زمین میں بیج ڈال، پانی دے، کھیت کی نگہداشت کر، تو کہتا ہے، کون کھیتی کرے اور سچائی (۶) کس سے ہوسکتی ہے۔ کون گھر چھوڑ کر حفاظت کے لئے جنگل میں جا کر پڑے۔ مجھے تو غلہ چاہیے یہ شخص احمق ہے اور غلہ کا طالب ہی نہیں ہے۔

یا جیسے کوئی اولاد چاہے اور جب کہا جائے نکاح کر اولاد ہو جائے گی تو کہتا ہے کہ کون بکھیڑے میں پڑے نکاح میں ایک رقم صرف کروں پھر نان و نفقہ کا مطالبہ ہو مکان چاہیے، مہر کی فکر ہو اور طرح طرح کی مصیبتیں کون مول لے۔ نکاح تو

---

(۱) روپیہ کمانے کے لئے (۲) کمانے میں (۳) کچھ جمع ہو جائے (۴) مال داری (۵) خواہشات کا پجاری
(۶) کھیت میں پانی کون دے سکتا ہے۔

کرنے کا نہیں بس میں تو لڑکا چاہتا ہوں۔ یہ احمق ہی ہے اللہ میاں نے اس فعل خاص کو ولد (۱) کے لئے سبب قرار دیا ہے۔اس کو اختیار کرو اولاد بھی مل جائے گی۔

یا جیسے کہ کوئی چاہے کہ پیٹ بھر جائے اور جب کہیں کھانا کھاؤ، لقمہ کو چباؤ اور نگلو پیٹ بھر جائے گا۔تو کہتا ہے کہ صاحب میں تو یہ کرنے کا نہیں۔ ظاہر ہے کہ محض احمق ہے۔توضیح کے لئے یہ کئی مثالیں دی گئیں تاکہ یہ مقدمہ ذہن نشین ہو جائے میں آگے ان شاء اللہ ان سے کام لوں گا غرض طالب اگر ذرائع کو اختیار کرے، تو طالب ہے ورنہ بوالہوس ہے (۲)۔ ایسا آدمی ضرب المثل ہو جاتا ہے دیکھنے اور سننے والے کہا کرتے ہیں کہ آدمی تو معقول ہیں مگر خبط ہو گیا ہے دیکھئے پڑھ لکھ کر دماغ خراب ہوا ہے نکاح تو کرتے نہیں اور اولاد کی دہن ہے۔ کیسا افسوس ہے وجہ یہی ہے کہ مسلم ہے کہ اگر سعی نہ کرے ذرائع میں (۳) تو پاگل ہے پس اب تعجب یہ ہے کہ یہ قاعدہ دنیاوی امور میں تو ہر کس و ناکس، عالم و جاہل، بڑے اور چھوٹے سب کے نزدیک تسلیم کیا ہوا ہے۔

اسباب اور آخرت

جب دین کا معاملہ آپڑتا ہے تو بڑے بڑے عقلاء احمق بن جاتے ہیں وہاں مقصود کی زبانی طلب کو ہی طلب کہنے لگتے ہیں اور اطمینان رہتا ہے کہ بڑے طالب علم ہیں اور اس طلب پر نتیجہ ضرور مرتب ہوگا۔اگر ایسا ہے تو زبان سے اولاد اولاد کہنے والے کو بھی طالب (۴) ولد کہنا چاہئے اور امید رکھنی چاہیے کہ اس کے اولاد ہوگی (معلوم نہیں کس طرح ہوگی۔شاید مرد کے بچہ ہوگا۔

---

(۱) اس خاص عمل کو بچہ پیدا ہونے کے لئے سبب قرار دیا ہے (۲) حریص ولالچی (۳) اگر ذرائع حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے (۴) بچے کا طالب۔

معلوم نہیں کیا بات ہے فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ دنیا میں تو اسباب کو دخل ہو اور آخرت میں نہ ہو بلکہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی اسباب کو اتنا دخل اپنے مقاصد میں نہیں ہے جتنا کہ آخرت کے اسباب کو مقاصد آخرت میں ہے۔ یہ بات ظاہراً مشکل معلوم ہوتی ہوگی کیونکہ ذہن نشین یہی ہورہا ہے دنیوی کام تو اختیاری ہیں اور اخروی نہیں۔ جو لوگ ذرا عقلمند ہیں وہ اتنا اور کہہ لیتے ہیں کہ ہوتا تو سب کچھ تقدیر ہی سے ہے مگر اسباب حق تعالیٰ نے مقرر فرمادیئے ہیں۔ مسئلہ تقدیر کو سمجھا مگر غلط سمجھا۔ چاہے فاسق ہوں یا فاجر ہوں۔ اگر تقدیر میں جنت ہے تو جائیں ہی گے دنیا میں بھی یوں ہی کیوں نہ کہا کہ اسباب کو حاصل کریں یا نہ کریں اگر تقدیر میں مسبب لکھا ہے تو ملے ہی گا نہ کوئی پیش کریں نہ کھیتی کریں نہ کھائیں۔ اگر قسمت میں تمول (۱) اور غلہ اور پیٹ بھرنا لکھا ہے تو ہو ہی جائے گا۔ بلکہ جیسا یہ خیال ہے کہ فسق و فجور کرکے اطمینان سے بیٹھے ہیں کہ جنت ملے ہی گی غلطی یہی ہے کہ دنیا کو اختیاری سمجھا اور آخرت کو نہیں یا تو دونوں کو اختیاری سمجھا ہوتا یا دونوں میں تقدیر پر بیٹھے رہے ہوتے۔ ذرا غور سے سمجھ میں آجائے گا کہ واقعی بات کیا ہے۔

عقائد کا مسئلہ ہے کہ ہر سبب پر جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ باذنہٖ تعالیٰ ہے (۲)۔ جلانا آگ کا لگانا اثر دائمی اور متفق علیہ ہے مگر جب تک اذن نہ ہو احتراق (۳) مرتب نہیں ہوسکتا۔ سب جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں نے نہایت تیز آگ میں ڈالا۔ مگر باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہہ دیا ٹھنڈی ہوجا کچھ بھی صدمہ نہ پہنچا اور احتراق مرتب (۴) نہ ہوا۔ اگر یہ اثر آگ کے لئے ذاتی ہوتا یا جزو ماہیت یا لازم ماہیت ہوتا تو کیوں منفک ہوتا (۵)۔ کیا آگ آگ نہ رہی۔

(۱) مالداری (۲) اللہ کے حکم سے (۳) اللہ کی اجازت نہ ہو آگ نہیں جلاتی (۴) جلایا نہیں (۵) اگر جلانا آگ کا ذاتی اثر ہوتا تو پھر ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ نہ جلاتی۔

اعمال صالحہ کا اثر

اور یہی قصہ اعمال صالحہ میں بھی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔کوئی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہ جائے گا مطلب یہ ہے کہ عمل میں تاثیر بالذات نہیں کہ کسی کو جنت میں لے جائے۔ مشیت ایزدی شرط ہے (۱)۔ (جس کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ عمل دخول جنت میں کچھ بھی دخل نہیں رکھتا) عمل کو وہی دخل ہے دخول جنت میں جو آگ کو ہے احراق میں (۲)۔ آگ کے احراق کے لئے بھی مشیت شرط ہے اور دخول جنت کے لئے بھی۔

بہرحال ایک آیت اور ایک حدیث سے ثابت ہوگیا کہ کسی چیز میں تاثیر بالذات نہیں ہے اگرچہ اثر کیسا ہی یقینی اور دائمی ہو مگر ذات میں کسی چیز کی داخل نہیں کہ اثر کرے۔ سب مشیت باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ حق تعالیٰ کے مرتب کرنے سے سبب مرتب ہوتا ہے تو اب اس کی تحقیق باقی ہے کہ آیا اسباب دنیویہ پر مرتب کرنے کا حق تعالیٰ نے یقینی وعدہ کیا ہے یا اسباب اخرویہ پر اس کے مرتب کرنے کا یقینی وعدہ کیا ہے تو نصوص وواقعات دونوں سے دیکھئے کہ دنیوی اور دینی دونوں اسباب میں سے کس پر ترتب اثر یقینی ہونے کا وعدہ ہے۔ باری تعالیٰ کا اور تجربہ سے بھی کون یقینی ہے۔ سو کہیں نہیں فرمایا گیا نصوص میں کہ اسباب دنیوی پر اثر ضرور مرتب ہوگا اور تجربہ واقعات سے بھی یہی نکلتا ہے بسا اوقات کھیتی کرتے ہیں اور ایک دانہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

---

(۱) اللہ کا چاہنا شرط ہے (۲) جلانے میں۔

دنیوی اسباب پر نتیجہ کا مرتب ہونا

یہ حال جاہ وثروت (۱) کا ہے بہت سی تدبیریں کی جاتی ہیں مگر عمر گزر جاتی ہے اور غربت ہی رہتی ہے اور کبھی بے تدبیر مالدار ہوجاتا ہے اگر آپ غور کریں گے تو کبھی نہ کہیں گے کہ جاہ وثروت تدبیر پر ہے۔ میں نے خود ایسے واقعات دیکھے ہیں کہ جن کی اوقات کسی وقت میں دو آنے کی تھی آج وہ لکھ پتی ہوگئے۔ اگر آپ کہیں کہ انہوں نے تدبیر سے اس قدر مال حاصل کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ آپ ان کے پاس جائیے اور اول سے آخر تک ان کی سوانح عمری لکھئے اور ان کی کل تدبیریں بھی لکھئے کہ پہلے ان کے پاس دو آنے تھے اس کا انہوں نے فلاں سودا خریدا اور صبح سے شام تک پھیری کر کے بیچا اس میں ایک آنا نفع ہوا ایک آنا میں سے نصف کھایا اور نصف اصل میں شامل کر دیا اگلے دن اڑھائی آنے کا سودا لے کر پھیری کی ساڑھے تین آنے یا چار آنے ہوگئے۔

اسی طرح رأس المال (۲) بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب تعداد آنوں سے نکل کر روپوں میں آگئی تو کچھ پس انداز (۳) کرنے لگے۔ جب ایک کافی رقم جمع ہوگئی تو جائیداد خرید لی پھر اس کی آمدنی کو بقدر ضرورت خرچ کیا اور کچھ داخل خزانہ کرتے گئے۔ یہاں تک کہ خزانہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچ گیا۔ لکھ پتی ہوگئے۔ اس کو مفصل لکھئے بلکہ تمام تغیرات کو تاریخ وار قلمبند کیجئے اب اگر یہ تدبیر سبب ہے ان کے جاہ وثروت کی تو آپ بھی ایسا ہی کیجئے۔ جیسا انہوں نے کیا کہ دو آنہ کا سودا لیجئے اور پھیری کیجئے اور نفع کو شامل راس المال (۴) کرتے جائیے بعد چندے کچھ پس انداز کیجئے اور جائیداد خرید لیجئے پھر خزانہ بڑھائیے یہاں تک کہ لکھ پتی بن

(۱) اقتدار اور حصول دولت (۲) اصل سرمایہ (۳) جمع کرنے لگے (۴) نفع کو اصل میں ملاتے جائیے۔

جائیے۔ میں کہتا ہوں کہ کبھی بھی تو ان تدبیروں سے آپ ان کے برابر نہیں ہو سکتے کیا وجہ ہے کہ تدبیر سے اس نے حاصل کیا اور تم نہیں کر سکتے وجہ یہی ہے کہ سب کچھ باری تعالیٰ کے حکم پر ہوتا ہے پس ثابت ہوگیا ہے کہ اسباب دنیا پر ہمیشہ اللہ اثر مترتب نہیں فرماتے۔

میرے دعوے کا ایک جزو ثابت ہوگیا کہ اسباب دنیوی پر نتیجہ کا مترتب ہونا ضروری اور دائمی نہیں۔

اخروی اسباب پر نتیجہ مرتب ہونا

رہا دوسرا جزو یعنی آخرت سو دیکھئے فرماتے ہیں۔

﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ ''یعنی جو کوئی آخرت کا طالب ہو اور کوشش کرے تو اس کی سعی ضائع نہ جائے گی۔ بلکہ فرماتے ہیں نزدلہ فی حرثہ یعنی اس کا نتیجہ بقدر عمل ہی نہیں زیادہ دیا جائے گا۔ دیکھ لیجئے وعدہ کے یقینی ہونے سے نتیجہ مترتب ہونا ضروری اور یقینی ہوا یا نہیں۔

میرا مدعا ثابت ہوگیا کہ اسباب دنیوی پر اثر مترتب ہونے کا کہیں وعدہ نہیں اور اسباب اخروی کے لئے وعدہ ہے پھر تعجب ہے کہ دنیا میں جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں وہ اکثر جتنا چاہتے ہیں نہیں ملتی مگر پھر اکتساب (۱) ذرائع سے کوئی غفلت نہیں کرتا غفلت کرنے والا احمق سمجھا جاتا ہے اور آخرت میں اس قدر ملتا ہے جس کا ارادہ بھی نہیں کیا جاتا اور پھر اکتساب ذرائع سے غفلت ہو اور غفلت کرنے والے کو کوئی احمق نہ کہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ ''پس کسی شخص کو خبر نہیں وہ جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے

(۱) ذرائع آمدنی کو اختیار کرنے سے بے پرواہی نہیں کرتا۔

خزانہ غیب میں موجود ہے''۔

طلب جنت کا ذریعہ

حدیث قدسی میں فرماتے ہیں (اعدت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر)[۱] میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کی ہے کہ نہ کسی نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی نہ کسی کے دل میں اس کا خیال تک گزرا۔ حالانکہ خیال بڑی وسیع چیز ہے۔ مگر بروئے حدیث وہ چیزیں اسباب آخرت پر متفرع ہوتی ہیں جو خیال میں بھی نہ آسکیں۔ اب سوچئے کہاں تک سوچیں گے جمال باغ نہریں خادم، ماکولات ومشروبات وغیرہ جہاں تک بھی آپ کا خیال پہنچے پھر ایک مرتبہ ایسا نکالئے کہ خیال سے بھی باہر ہو اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہو مگر وہاں ملے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اگر فضل ہوا، آخرت میں ترتب اثر تو کیا اس اثر کا وعدہ ہے کہ سبب سے اور اس سے کچھ نسبت بھی نہیں جمال اور باغ وغیرہ میں بھی ایسے مراتب نکل سکتے ہیں کہ خیال سے باہر ہوں اور بعض نتیجے وہاں کے وہ ہیں کہ ان کا صرف لفظ ہی سنا ہے ماہیت تو عقل میں بھی نہیں آتی۔ وہ رویت[۲] الٰہی ہے غرض ترتب اثر یقینی ہوا کیونکہ وعدہ فرمایا ہے باری تعالیٰ نے کہ اثر ہم ضرور متفرع[۳] کریں گے تم ذرائع کو حاصل کرو۔

لوگوں کے خیال میں یہ جمع ہوا ہے کہ آخرت بے اختیاری ہے اور دنیا اختیاری ہے اسی نے لوگوں کو بٹھادیا کچھ نہیں کرتے اور دنیا کے معاملات میں یہ حال ہے کہ جب چاہتے ہیں دنیا حاصل کرنا اسباب کو جمع کرتے ہیں حالانکہ بارہا

(۱) مسند الامام ۲:۴۳۸، الترغیب والترہیب ۴:۵۲۱، ۵۵۷، الدر المنثور ۵:۱۷۶۰ (۲) دیدار خداوندی (۳) تم ذریعہ اختیار کرو ہم اس پر اثر مرتب کریں گے۔

اسباب کے تخلف [۱] کو بھی مقاصد سے دیکھ چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ جن اسباب کو دخل نہیں وہ تو جمع کئے جائیں اور جن کو دخل ہے ان کو نہ اختیار کیا جائے کیسے کہا جائے کہ ایسا شخص جنت کا طالب ہے اسی کو فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ((تعجب ہے جنت سے کہ اس کا طالب کیسے سوتا ہے))۔

اس سے اور ماسبق سے ثابت ہوگیا کہ جو اسباب کو حاصل نہ کرے اس کے دماغ میں خلل [۲] ہے طلب صرف معتبر نہیں بلکہ طلب صادق ضروری ہے اور اس کے لئے کسب ذرائع لازم ہے [۳] جیسا کہ بسط [۴] کے ساتھ اب تک بیان کیا گیا سو اس آیت میں اللہ میاں نے جنت کے طلب کا ذریعہ بتایا ہے جس کے سب لوگ مشتاق ہیں۔

حال وکمال

یہاں ایک بات اور قابل تحقیق ہے وہ یہ کہ اس آیت سے جنت کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے اولیاء اللہ میں بعض ایسے گزرے ہیں جن کے کلام میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نہ ہم کو جنت کی طلب ہے نہ دوزخ کا خوف ہے تو یا تو جنت مطلوب نہیں یا وہ لوگ مخالف قرآن ہیں۔

جیسے ایک صاحب حال کی نقل ہے (یہ قصہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا ہے) کہ ایک روز غلبہ حال میں ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لے کر نکلیں۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ کیا۔ کہا تمام عالم کو جنت اور دوزخ ہی کے خیال نے تباہ کردیا میرے مالک کا نام کوئی نہیں لیتا آج میں فیصلہ کئے دیتی ہوں پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کروں گی اور آگ بہشت میں لگاؤں گی۔

(۱) کئی مرتبہ اسباب اختیار کرنے کے باوجود نتیجہ مرتب نہیں ہوتا (۲) دماغ خراب ہے (۳) ذرائع اختیار کرنا ضروری ہے (۴) تفصیل سے۔

سو بات یہ ہے کہ یہ اقوال و حکایات اہل حال کے ہیں اور غلبہ حال سے ان کو معذور سمجھا جاوے گا۔ ہم سوالوں (۱) کو تو ان لوگوں کے اقوال کو نقل کرتے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی بات جذب میں کوئی کہہ جائے باقی قصداً کہنا یا اس کو کمال سمجھنا بڑی غلطی ہے خوب یاد رکھئے کہ جذب کوئی کمال نہیں اور نہ وہ اختیاری چیز ہے جو لوگ اختیار سے ایسے لفظ کہتے ہیں۔ حاشا، وکلا جو اعلیٰ و ادنیٰ کسی درجہ میں بھی وہ شمار ہوں غلبہ کے تو معنی ہی بے اختیاری کے ہیں پھر بے اختیاری کا اختیار سے ہونا کیا معنی۔ آج کل لوگوں نے اسی کو کمال سمجھ رکھا ہے۔ جو کوئی واہی تباہی کلمات بیبا کانہ بکتا ہو اس کو بڑا پہنچا ہوا سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ مست ہیں۔ سو خوب سمجھ لیجئے کہ جن بزرگوں سے ایسے کلمات منقول ہیں ان کے لئے بھی یہ حالت کچھ کمال کی نہ تھی۔ ہاں غلبہ حال کی وجہ سے معذور تھے کوئی الزام ان پر عائد نہیں ہوتا اور رہے نقال سو وہ تو کسی طرح معذور ہی نہیں ہو سکتے۔ ان کے اقوال کے دعوے کے ساتھ نقل سخت بے ہودگی ہے۔ غرض ان لوگوں کی ایک حالت معذوری کی تھی ورنہ جس چیز کا مطلوب ہونا قرآن سے ثابت ہو اور جس چیز کو رسول اللہ ﷺ طلب فرمادیں۔ (اللھم انی اسالك الجنة وما قرب الیھا من فعل او عمل)(۲) ''اے اللہ میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور وہ چیز جو اس جنت کے قریب کردے قول ہو یا عمل'' اس کی نسبت دوسرے کا کیا منصب ہے کہ ایسا کہے۔

آیات و احادیث میں صاف طور پر طلب جنت کی فضیلت آئی ہے۔ اہل حال معذور تھے حال کی وجہ سے اور اب تو لوگوں میں حال ہی نہیں رہا۔ نقل ہی نقل رہ گئی اسی کو فرماتے ہیں مولانا۔

---

(۱) ہم جیسوں کو (۲) مسند الامام احمد ۱:۱۷۲، ۱۸۳ المصنف لابن ابی شیبۃ ۱۰:۲۶۴، کنزالعمال: ۶۳۱۰، ۲۸۴۷، ۵۰۷۲۔

حرف درویشاں بدزدد مردِ دوں تا بہ پیش جاہلاں خواہد فزوں

"درویشوں کو الفاظ چرا کر کمینہ آدمی جاہلوں کے سامنے ان کو اپنے حرام میں پھنسانے کے لئے منتر پڑھتا ہے"

جن میں کچھ ہے نہیں وہ ان کے دعوؤں کی نقل کر کے جاہلوں میں بزرگ بنتے ہیں۔

مجھ کو ایک شخص اسی سفر میں ملے کہ وہ کچھ مالی اعانت چاہتے تھے ادھر ادھر کی باتوں میں اپنی محویت بھی ظاہر کی لمبی باتیں کرنے لگے کیا پرواہ ہے جنت کی اور کیا خیال ہے دوزخ کا میں نے کہا میاں بیٹھے بھی رہو۔ چار روپیہ کے لئے تو گھر چھوڑے پھرتے ہو جنت کی طرف التفات بھی نہ کرو گے۔ ان نقالوں میں رنگ البتہ اصل سے بھی زیادہ ہوتا ہے سو ہر چیز میں تجربہ کر لیجئے کہ اصلی میں نقلی کی سی آب وتاب نہیں ہوتی۔ رنگ وروغن کو دیکھ کر شیفتہ (۱) ہو جانا اس امر (۲) کی دلیل ہے کہ اس شخص نے اصل چیز نہیں دیکھی اور محض ناواقف ہے غرض اہل حال تو بہشت سے مستغنٰی ہیں اور جنت کا مطلوب ہونا بحالہ باقی رہا۔

حصول جنت کے طریقے

البتہ یہ ضروری ہے کہ مشہور تقسیم میں اس کے مطلوب ہونے کی دوصورتیں ہیں اور میرے نزدیک ایک تیسری صورت اور بھی ہے ایک تو یہ کہ اس کی نعمتوں کو مقصود سمجھ کر کھانے کو پینے کو، باغوں کو مکانات کو، نہروں وغیرہ کو غرض اصلی جان کر طلب کیا جائے۔ مذاق مختلف ہوا کرتے ہیں کسی کو مکانات کا شوق ہے کسی کو دلکش فضاؤں کا، کسی کو بچوں کا، کسی کو حسن وجمال کا، کسی کو ماکولات ومشروبات کا (۳)

(۱) عاشق ہونا (۲) اس بات کی دلیل ہے (۳) کھانے پینے کی چیزوں کا۔

کا اور جنت میں سب کچھ ہے۔ تو جو چیز جس کو مرغوب ہو ملے گی۔

حدیث شریف میں ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کہ ایک شخص تمنا کرے گا کہ وہ کھیتی کرتا اللہ میاں فرمائیں گے ابن آدم کا پیٹ ہی نہیں بھرتا اور دم کے دم میں سب چیز موجود ہو جائے گی بات کہنے میں ہرا بھرا کھیت، پھر انبار کے انبار غلہ تیار ہے تو کتنی کھیتی چاہئے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ بچہ طرح طرح کی ضدیں کرتا ہے اور سب پوری کی جاتی ہیں والدین جانتے ہیں کہ باولی ضدیں ہیں مگر جو مانگتا ہے دیتے ہیں تو بعض لوگ جنت کو اس لئے طلب کرتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو جنت کو اللہ میاں کی لقاء (۱) کے لئے طلب کرتے ہیں یہ لوگ طالب درحقیقت اللہ میاں کے ہیں مگر ان کو معلوم ہوا ہے کہ رؤیت (۲) اور رضا خاص جنت میں ہوگی اس لئے چاہتے ہیں کہ جنت میں پہنچ جائیں تاکہ مقصود اصلی حاصل ہو غرض نعمت کے طالب نہیں بلکہ منعم کے ہیں۔

مثال اس کی یہ ہے کہ ایک محبوب نے باغ میں لوگوں کو بلایا جس میں ہر قسم کا عیش ونشاط موجود ہے جو میوے کہیں نہیں ہیں وہ وہاں موجود وہ مکانات جن کا نقشہ تک کسی کے خیال میں نہ گزرا ہو۔ وہاں تیار، نہریں، حوض، دلکش فضائیں، خادم، غلام غرض جملہ چیزیں موجود ہیں۔

بعض جانے والے ایسے ہوں گے جو غسل کرنے اور حوضوں میں غوطہ لگانے کی غرض سے جائیں گے اور بعض تازہ بتازہ ہواؤں کا لطف اٹھانے کے لئے اور بعض میووں سے لذت حاصل کرنے کے لئے وعلی ہذا۔ اور ایک جانے والے وہ ہیں کہ اس محبوب پر عاشق ہیں اور باغ میں اس واسطے جاتے ہیں کہ ان کو معلوم ہوا ہے کہ ہمارا محبوب باغ میں ہے یہ سن لیا ہے اور باغ کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ یہ

(۱) اللہ سے ملنے کے لئے (۲) اللہ کا دیدار اور خوشنودی۔

لوگ دراصل باغ کو نہیں ڈھونڈتے، باغ والے کے شیدائی ہیں اس وقت چونکہ محبوب باغ میں ہے۔ اس واسطے باغ کی طرف جاتے ہیں اور وہ اگر جنگل میں آجائے تو باغ کا خیال بھی ان کے ذہن میں کبھی نہ گزرے۔ باغ کی طرف جانے والے یہ دو قسم کے لوگ ہوئے۔ ایک وہ کہ نفس باغ کے طالب ہیں دوسرے وہ کہ نہ انہیں باغ کا خیال ہے نہ جنگل کا۔ محبوب کی طرف نگاہ ہے۔

مشہور قسمیں طالبان جنت کی تو یہی دو ہیں اور میرے نزدیک تیسری قسم اور ہے لیکن ذرا دقیق ہے۔ وہ یہ کہ طالب تو نعمت کے ہیں لیکن نہ حظ (۱) کی وجہ سے بلکہ اپنے تذلل اور عبدیت (۲) کی وجہ سے اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ بلاواسطہ طالب منعم کے ہوں۔ وہ اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اس کے کوچہ کا ایک گوشہ مل جاوے (۳)۔ یہ تیسری قسم ہوئی طالب نعمت کا مبتدی ہے اور طالب منعم کا متوسط ہے اور طالب نعمت للعبدیت کا کہ واقع میں طالب کامل منعم کا ہے منتہی ہے اور صاحب حال بحث سے خارج ہے۔

طالبین جنت کی اقسام

خلاصہ یہ کہ لوگوں کا خیال مطلقاً یہ ہے کہ طلب جنت سے عدم طلب کا درجہ بڑھ کر ہے حالانکہ غور کرنے سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے کہیں آیات و نصوص میں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ عدم طلب کوئی شے حسن ہے (۴)۔ بہت سے بہت یہ کہہ سکتے ہیں کہ عدم طلب والا معذور ہے سو معذوری میں فضیلت کہاں!

خلاصہ یہ کہ طالب جنت کی تین قسمیں ہوگئیں کہ یا مبتدی ہے یا متوسط یا منتہی۔ سو متوسط کا حال تو اکثر ممتاز ہوتا ہے لیکن مبتدی اور منتہی کا حال بہت متشابہ

(۱) لذت کی وجہ سے نہیں (۲) اپنی بندگی و عاجزی کی وجہ سے (۳) ایک کونہ (۴) کوئی اچھی چیز ہے۔

ہوتا ہے مگر واقع میں زمین وآسمان کا فرق ہے مبتدی ایک کام میں لگا ہوا ہے گو حقیقت نہیں پہچانتا مگر آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے کبھی حقیقت شناس بھی ہوجائے گا۔ ذراسی بات میں وجد میں آجانا، دھاڑیں مارنا، مغلوبوں کا کام ہے جو صاحب کمال ہے وہ حال پر نہ آنسو ٹپکا سکتا ہے نہ حال اس کے بدن میں حرکت پیدا کرسکتا ہے نہ حال اس کی زبان سے بے ساختہ کلمات نکلوا سکتا ہے شاہ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد
ایں جا مردانند کہ دریاہا فروبرند و آروغ نزنند

''منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے فریاد میں آگیا اس جگہ مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے''

منتہی کی حالت بالکل مبتدی کی سی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ منتہی (۱) راستہ طے کیئے ہوئے ہوتا ہے۔ اس واسطے ہر مقام پر اس کے افعال سے واقفیت ٹپکا کرتی ہے اور مبتدی مقلدانہ چلتا ہے۔

اسی طرح جنت کے مانگنے والوں میں جو مبتدی یا منتہی ہیں ان میں فرق یہ ہے کہ مبتدی طالب ہے مزہ کے لئے اور منتہی مزہ سے گزرا ہوا ہے۔ پھر جنت کی طلب جو کرتا ہے سو وہ محبوب کے حکم سے ہے۔ گویا منتہی عبدیت ظاہر کرتا ہے کہ جو حکم ہو اس کی تعمیل کے لئے تیار ہوں اور مبتدی کی فناء میں ابھی کمی ہے اس کا التفات مزہ کی طرف ہنوز باقی ہے (۲) فرض کیجئے کہ ایسی چیز کی طلب کا حکم ہوتا ہے مزہ اس میں نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ اس صورت میں مبتدی کے پیرا کھڑ جاتے اور

(۱) جو سلوک کے آخری منازل میں ہو (۲) مزہ کی طرف ابھی توجہ باقی ہے۔

منتہی جما ہوا ہے اس کی لغزش کی کوئی وجہ نہیں۔ وہ مزہ کا طالب ہی نہیں جس کے رہنے نہ رہنے پر اس کی طلب کا دارومدار ہو چونکہ طلب کا حکم پایا ہے اس واسطے تعمیل کررہا ہے۔ فلیتنافس المتنافسون ''اورحرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے'' امر کا صیغہ ہے۔ یہ شخص زبان حال سے کہہ رہا ہے۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

جب ادھر سے ہی طلب کا حکم ہے تو طلب نہ کرنا عدول حکم ہے۔ مطیع اطاعت میں ایسا محو ہوتا ہے جیسے کسی کو شراب پلادیں (شراب دو ہیں حلال اور حرام) شراب محبت حلال ہے۔ شراب پی کر آدمی سب طرف سے بے خبر ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جو بندہ ہے وہ امتثال امر میں مخمور ہوجاتا ہے[1]۔

محویت اور بے خودی

یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ محویت بے خودی نہیں ہے بعض ناواقف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر نماز میں محویت ہوجائے تو رکوع وسجود کیسے ہوں۔ محویت کے معنی یکسوئی کے ہیں۔ صرف باری تعالیٰ کی طرف خیال ہوتا ہے۔ اس صورت میں عبادت بطریق احسن ہوگی رکوع وسجود نہ ہونا کیا معنی۔

عام لوگ محویت اس کو سمجھتے ہیں کہ کچھ واہی تباہی کلمات زبان سے نکال دیں یا آئندہ کی باتوں پر دعویٰ کے ساتھ حکم لگادیا کریں۔ اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ اللہ میاں پر ایسا ناز ہے کہ جو منہ سے نکل گیا۔ پورا ہوکر رہتا ہے۔ یہ مسلم سہی کہ دعا قبول ہوتی ہے مگر ہر چیز کو مانگ بیٹھنا اور دعویٰ سے حکم لگادینا۔ انہیں سے ہوسکتا ہے جو بے خود ہیں۔ یہ محویت محمود نہیں محویت محمود میں حق

(۱) حکم کی بجا آوری میں ڈوبا ہوا ہے۔

سبحانہ تعالیٰ سے نہایت قرب ہوتا ہے اور جتنا جس کو قرب ہوتا ہے اتنا ہی عظمت کا حق اس پر ظہور ہوتا ہے اور اتنا ہی اپنے نفس کا تذلل کھل جاتا ہے (۱) پھر جس پر محبوب کے اعلیٰ درجہ کی عظمت اور اپنی ذلت کھل گئی ہو اس کی نسبت کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جہاں چاہے بے دھڑک قدم اٹھا بیٹھے گا۔

عارفی اور اہل حال میں فرق

بادشاہ کے دو بچے ہیں ایک ناسمجھ اور ایک سمجھدار۔ ناسمجھ تو جب آتا ہے سیدھا گود میں جگہ لیتا ہے۔ نہ آداب مجلس کی کچھ خبر نہ ارا کین کا لحاظ نہ بادشاہ کا ادب نہ شاہی پوشاک کا خیال۔ پیر صاف ہیں یا خاک آلودہ آئے اور زانو پر چڑھ بیٹھے۔ اور ہوشیار بچہ جب آتا ہے تو نیچی نگاہ کئے ہوئے۔ چہرہ پر ارا کین کا لحاظ ظاہر۔ مجلس کا رعب چھایا ہوا اور نہایت ادب سے پاؤں پکڑ کر حاضری کی اجازت مانگ کر مودب کھڑا ہوتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ سمجھدار کو عظمت شاہی کی خبر ہے اور ناسمجھ کو نہیں۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ ناسمجھ بچہ بادشاہ کے نزدیک زیادہ مرتبہ رکھتا ہے کہ اس قدر قرب اس کو حاصل ہے کہ شاہی پوشاک پر میلے پیروں سے جا چڑھتا ہے اور جو الٹی سیدھی ضدیں کرتا ہے پوری کی جاتی ہیں۔ نہیں! قرب زوری اس کو حاصل ہے اور قرب حقیقی سمجھدار کو۔ اگرچہ سمجھدار گود میں نہیں ہے اور کسی قدر فصل سے کھڑا ہے میلے پیروں سے کپڑوں پر جا چڑھنا اور الٹی سیدھی ضدیں کرنا گستاخی ہے، باعث فضیلت نہیں۔ زائد سے زائد یہ ہے کہ بچہ ان حرکات میں معذور سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح اہل حال کہہ اٹھتے ہیں کہ نہ دوزخ، نہ بہشت نہ اس کا خوف

(۱) اپنے نفس کی عاجزی کھل جاتی ہے۔

ہے نہ اس کی خواہش۔ ان دونوں میں سے کسی کی خبر ہی نہیں۔ یہ کامل نہیں ہیں ان پر ابھی عظمت کا انکشاف پورا نہیں ہوا۔ اس وجہ سے اتنی جرات ہے کہ قرب کے اعلیٰ درجہ کا دعویٰ ہے۔

منتہی کا حال

دیکھئے ایک نہایت ذلیل شخص کسی عالی شان محبوب کی طرف جانا چاہتا ہے تو اول تو برسوں (۱) چاہئے۔ اس کوشش کے لئے کہ کسی راستہ کے موانع رفع ہوں (۲)۔ دربان وچوکیدار وغیرہ سے ساز ہو جائے تب توقع کی جائے کہ ان کی درخواست محبوب تک پہنچ سکے گی اور پھر قسمت کی یاوری سے محبوب نے بہت ہی لطف فرمایا کہ حاضری کی اجازت دے دی۔ تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ دربار میں جاتے وقت ان کی بڑی سے بڑی آرزو کیا ہوگی۔ یہ تو کبھی خیال بھی نہ جائے گا کہ مجھے محبوب بنالیں۔ بڑا حوصلہ یہ ہوگا کہ چوکھٹ کو بوسہ دینے کی اجازت مل جائے۔ اس کا یہ حوصلہ کرنا کیا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چوکھٹ کا طالب ہے بلکہ اپنی حالت کو دیکھ کر اس سے زیادہ کی ہمت نہیں کرتا حتی کہ اگر اس کو چوکھٹ سے بڑھانا چاہیں تو پیروں میں رعشاء پڑ جائے گا۔ سو منتہی اسالك الجنة کہے گا نہ اس واسطہ کہ جنت کا طالب ہے بلکہ طالب محبوب حقیقی ہی کا ہے مگر اس سے بڑھ کر حوصلہ اپنی ذلت اور ان کی عظمت کو دیکھ کر نہیں کر سکتا۔

مبتدی اور منتہی کا فرق

معلوم ہو گیا ہوگا کہ طالب تین قسم کے ہیں مبتدی یعنی طالب جنت کے حظ کے لئے (۳) اور منتہی یعنی طالب جنت عظمت محبوب کی وجہ سے اور متوسط

(۱) سالہا سال (۲) راستے کی رکاوٹیں (۳) جنت کے مزے کے لئے اس کا طالب۔

الحال۔ مبتدی اور منتہی میں فرق مشکل ہے اور متوسط الحال کا حال ممتاز اور ظاہر ہوتا ہے۔ حال سے مغلوب ہوتا ہے گویا ایسا مغلوب نہ ہو کہ حد شرع کی حفاظت نہ کر سکے کیونکہ ایسا شخص تو جیسا اوپر عرض کیا گیا مبحث [1] سے خارج ہے لیکن مغلوب ہونے سے صرف اس قدر مراد ہے کہ ذرا بات پر رونے لگتا ہے۔ ذرا بات پر وجد آ جاتا ہے۔ زبان سے بے اختیارانہ کلمات نکلنے لگتے ہیں۔ اس کو عوام کمال سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ حال پر غالب آ جائے اور حال کوئی تغیر اس میں نہ پیدا کر سکے۔ ایسے شخص کو پہچاننے کے لئے بڑی بصیرت چاہیے۔ اس کی حالت بالکل مبتدی کی سی ہوتی ہے عام لوگ دونوں میں فرق نہیں کر سکتے۔

اولیائے کاملین کا حال

منتہی کا پہچاننا کچھ آسان کام نہیں یہی وجہ ہے کہ متوسط اولیاء کو تو لوگوں نے پہچان لیا اور اولیاء کاملین اور انبیاء علیہم السلام کو نہ پہچان سکے۔ ﴿قالوا ان انتم الا بشر مثلنا﴾ ''انہوں نے کہا تم تو ہماری مثل بشر ہو'' متوسط اولیاء میں تو جوش و خروش دیکھتے ہیں اور اولیائے کاملین اور انبیاء علیہم السلام کی حالت بالکل معمولی سی معلوم ہوتی ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد	کم کسے از سر حق آگاہ شد
گفت اینک مابشر ایشاں بشر	ما وایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں از عمے	درمیاں فرقے بود بے منتہا
ایں خورد گردو پلیدی زوجدا	واں خورد گرد و ہمہ نور خدا
کار پاکاں را قیاس از خود مگیر	گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر

(۱) بحث سے خارج ہے۔

’’تمام دنیا اسی خام خیالی کی وجہ سے گمراہ ہوگئی کہ انہوں نے اللہ کے اولیاء کو پہچانا نہیں۔ اور کہنے لگے کہ ہم بھی انسان وہ بھی انسان، وہ بھی کھاتے پیتے ہیں ہم بھی کھاتے پیتے ہیں۔ ان بے وقوفوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ ان میں اور ہم میں بڑا فرق ہے۔ یعنی ایک کھاتا ہے تو اس سے پلیدی وبخل وحسد پیدا ہوتا ہے دوسرا کھاتا ہے تو اس سے تمام تر نور خدا یعنی عشق الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ بزرگوں کے افعال کو اپنے اوپر خیال مت کرو اگرچہ ظاہر میں دونوں کے فعل یکساں ہیں جس طرح لکھنے میں شَیر اور شِیر یکساں ہے‘‘۔

مگران کو اس کی ضرورت نہیں کہ پہچانے جائیں۔ صاحب کمال کو ایک عجیب استغناء ہوتا ہے۔ دنیا کا ذرا سا کمال کسی کو حاصل ہوتا ہے تو کسی کی طرف التفات نہیں کرتا۔ یہ لوگ تو وہ کمال رکھتے ہیں کہ اس کی ماہیت بھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔ قصداً اظہار تو کہاں ان کو تو غیرت آتی ہے کہ کسی پر اظہار ہو کیمیا گر(۱) کبھی اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ ٹھگ البتہ کمالات دکھاتے پھرتے ہیں۔ پھر دیکھ لیجئے کہ یہ کمالات شعبدے ہی ہوتے ہیں۔ جس کے اندر کچھ ہے وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا اور جو دکھاتا پھرتا ہے اس میں کچھ ہے نہیں۔ ان لوگوں کو تو کبھی اپنے آپ سے بھی غیرت آجاتی ہے۔ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

’’مجھ کو آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ان کو محبوب کے چہرہ انور کو نہ دیکھنے دوں اور کانوں کو بھی ان کی باتیں نہ سننے دوں‘‘

میری آنکھ آپ کی طرف دیکھے۔ میرا کان آپ کی بات سنے یہ لوگ امتثال امر میں لگے ہوئے ہیں۔ کوئی ان کو پہچانے یا نہ پہچانے کچھ پرواہ نہیں۔ نیکی

(۱) سونا بنانے والا۔

کر اور دریا میں ڈال۔ اپنی طرف سے کبھی اظہار کا تصور نہیں کرتے۔ ہاں اللہ میاں کبھی ظاہر کر دیتے ہیں اس وقت یاد رکھنے کی بات ہے کہ اخفاء بے ادبی ہے کیونکہ اطاعت تعمیل حکم اور رضا ہے جس طرح رکھیں بندہ کو اسی طرح رہنا چاہئے جب کہیں خاموش رہو خاموش ہو جائے اور جب کہیں کھل جا تو بلا تامل کھل جائے یہ کھل جانا بھی طاعت ہے اس وقت اخفاء اتباع نفس ہے۔ اس وقت اس کو اظہار میں وہی لذت ہوگی جو پہلے اخفاء میں تھی۔

غرض صاحب کمال اپنے قصد کو کبھی دخل نہیں دیتا نہ اخفاء میں نہ اظہار میں بس فنا ہوتا ہے تعمیل حکم میں۔ اور جو کوئی بالقصد اپنے آپ کو ظاہر کرتا پھرتا ہے وہ اب تک فنا ہی نہیں ہوا۔ جب صاحب کمال سرتاپا محو ہوا امتثال امر (۱) میں تو اس کو اس طرف توجہ نہیں ہوتی کہ میں ظاہر ہوں یا نہ ہوں بلکہ معمولی سی حالت ہوتی ہے اگر طلب کا حکم نہ ہوتا تو طلب بھی نہ کرتا مگر حکم ہے اس لئے بغرض اس کی تعمیل کے طلب کرتا ہے۔ مبتدی بھی طلب کرتا ہے اور منتہی بھی، طلب میں دونوں شریک ہیں اور کسی بات سے حالت ظاہر نہیں ہوتی۔ پھر فرق کیا جائے تو کس طرح۔ مولانا فرماتے ہیں:

درنیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

''ناقص کامل کی حالت کو نہیں سمجھ سکتا پس کلام کو کوتاہ کرنا چاہئے''

مبتدی اور منتہی میں فرق بڑا مشکل ہے۔

طلب جنت کا گر

بالجملہ طالبوں کی تین قسمیں ہوئیں اور جنت مطلوب بہرحال ٹھہری اور

(۱) سر سے پیر تک اللہ کے احکام کی پاسداری میں لگا ہوا ہوتا ہے۔

اس کی طلب مامور بہ اور فرض ہے[1] اب وہ مقدمہ بھی یاد ہوگا کہ ذریعہ کا اکتساب ضروری ہوا۔ جنت جب ہر شخص کی مطلوب ہے تو اس کے ذرائع کی طلب بھی ہر ایک کے ذمہ ہے ورنہ وہی بوالہوسی ہوگی[2]۔ اس ذریعہ اور طریق کو فرماتے ہیں۔

واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هى الماوىٰ[3] ''اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور اس نے نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا پس جنت اس کا ٹھکانا ہے''۔

سبحان اللہ! کلام الملوك ملوك الكلام ''بادشاہوں کا کلام کلام کا بادشاہ ہوتا ہے''

جنت اتنی بڑی چیز اس کی طلب کا خلاصہ فرمادیا تاکہ طالبوں کو آسانی ہو۔ اتنے بڑے مطلوب کے لئے جس قدر ذرائع اور طرق ہوتے کم تھے مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسی بات بتادی جیسے گر ہوتا ہے۔ گر اس لئے ہوا کرتا ہے کہ کثیر التعداد افراد کو جن کو بالاستقلال ایک ایک کو یاد رکھنا دشوار ہو اس کے ذریعہ سے یاد رکھیں۔ جیسے کوئی خادم کو محفل کے دروازہ پر بٹھادے اس غرض سے کہ غیر آدمیوں کو اندر نہ آنے دے تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ زید وعمرو بکر وخالد وغیرہ ایک سو نام اس کو بتادیئے جائیں کہ ان میں سے جو کوئی آئے منع کرنا۔ اس میں کسی قدر دقت تو خادم کو پیش آئے گی کہ ایک فہرست بنائے گا۔ جس میں یہ سب نام درج ہوں اور ہر آنے والے سے نام پوچھ کر اوپر سے نیچے تک ساری فہرست میں تلاش کرے گا کہ یہ نام اسمائے مندرجہ فہرست میں سے ہے یا نہیں۔ ہر بار ساری فہرست دیکھنی

(۱) جنت طلب کرنے کا حکم بھی ہے اور اس کو طلب کرنا فرض بھی ہے (۲) لالچ وحرص (۳) سورۃ النزعات: ۳۹۔

پڑے گی۔ نیز کسی قدر دقت آنے والوں کو ہوگی کہ ہر شخص کو اتنی دیر ٹھہرنا پڑے گا کہ جب تک وہ تمام فہرست کو دیکھے۔ سہولت اسی میں ہے کہ مختصر سی بات بتادی جاوے کہ جس کو تو پہچانتا ہو اس کو آنے دینا۔ اس سے نہ فہرست کی ضرورت رہے کہ مختصر سی بات بتادی جاوے کہ جس کو تو پہچانتا ہو اس کو آنے دینا۔ اس سے نہ فہرست کی ضرورت رہے گی نہ کچھ اور دقت پیش آئے گی اسی کو گُر کہتے ہیں۔

جنت کے حصول کے لئے بہت سے طریق ہیں جن کا فرداً فرداً یاد رکھنا نہایت دشوار تھا۔ اس لئے حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسا امر بتادیا کہ جب اس کی رعایت رکھی جاوے تو جو فعل بھی کیا جاوے گا وہ وہی ہوگا کہ اس کو کچھ نہ کچھ دخل ہے جنت میں۔ اللہ میاں کے کلام کی قدر اسی کو آتی ہے جو طالب ہے جب کسی کے جنت پیش نظر ہو تو انتہا درجہ کا شوق پیدا ہوگا اور جب بتایا جاوے کہ اس کی طلب کے فلاں فلاں طریق ہیں اور چونکہ جنت بڑی چیز ہے اس کے طرق بھی کثیر ہی ہوں گے۔ ان کی کثرت کو دیکھ کر یہ شخص گھبرا اٹھے گا مگر چونکہ شوق انتہا درجہ کا پیدا ہو چکا ہے، اس لئے یہ تو ہوگا نہیں کہ چھوڑ بیٹھے بلکہ حالت سخت اضطراب کی پیدا ہوگی۔ اس شخص کے سامنے اگر کوئی قاعدہ کلیہ پڑھ دیا جائے جو جامع ہو تمام طرق (۲) کو تو ہر کوئی اندازہ کرسکتا ہے۔ کہ اس کی کیا حالت ہوگی۔ وجد کی سی کیفیت ہوجائے گی۔ اس کو قدر آئے گی کہ کلام باری تعالیٰ کیا چیز ہے۔ اس گر کو فرماتے ہیں۔ واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ ''اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو اس نے حرام خواہش سے روکا''

اس میں دو کام فرماتے ہیں جو تمام طرق کو جامع ہیں۔ ایک اپنے مالک کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف۔ دوسرا ونهى النفس عن الهوىٰ ''اور نفس کو اس نے

(۱) جو تمام راستوں کا احاطہ کرتا ہو۔

حرام خواہش سے روکا“

الف لام عوض مضاف الیہ ہے اے عن ھواھا نفس کو اس کی خواہشوں سے روکنا۔ یہ دونوں عمل جملہ طرق حصول جنت کو جامع ہیں۔

ہر چند کہ یہ دونوں عمل افراد بہت سے رکھتے ہیں۔ اور تفصیل کرتے وقت افراد میں کچھ کمی نہ ہوگی مگر اس اختصار کی منفعت یہ ہے کہ جب یہ دونوں مضمون ذہن نشین ہو جائیں تو ہر فرد عمل میں اس کی رعایت رکھنے سے نیک و بد میں تمیز سہولت سے ہو جائے گی۔ گر میں یہی ہوا کرتا ہے کہ افراد کم نہیں ہو جاتے صرف طریق شناخت میں اختصار و سہولت ہو جاتی ہے۔

دیکھئے کتنی سہولت ہوگئی جب آدمی کے دل میں خوف ہوگا کہ مجھے ہر ہر عمل پر حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہوگا تو ہر کام کو تامل (۱) کے ساتھ کریگا اور خیال رکھے گا کہ یہ کام کہیں خلاف مرضی باری تعالیٰ نہ ہو۔ اس سے ایک بصیرت پیدا ہو جائے گی کہ ہر برے عمل کو پہچان لے گا۔ اور اس سے بچ جائیگا۔

افراط خوف اور کفر

آپ نے جان لیا کہ طرق طلب جنت (۲) کا حاصل دو امر ہیں۔ اب یا تو ایک دونوں میں سے اصل ہے اور دوسرا معین یا دونوں اصل ہیں۔ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے اپنے مذاق سے کہ اصل نہی النفس ہے اور خوف اس کے لئے معین ہے میں یہ اپنے دل سے نہیں کہتا ہوں بلکہ اس حدیث سے کہ نسالك من خشيتك ما تحول به بيننا و بين معاصيك (۳) دعا مانگتے ہیں رسول اللہ کہ اے اللہ ہم مانگتے ہیں خوف میں سے

(۱) ہر کام سوچ کر کریگا (۲) جنت طلب کرنے کے طریقہ کا حاصل دو باتیں ہیں (۳) لم اجد الحديث فی ”موسوعۃ اطراف الحدیث“۔

اس قدر کو حائل ہو جاویں آپ اس سے ہم میں اور معصیت میں۔

تعلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیت معصیت (۱) سے بچنے کیلئے مطلوب ہے۔ بالذات مقصود نہیں ورنہ نسالک خشیتک ''ہم تیرا خوف مانگتے ہیں'' مطلقاً فرماتے کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں۔ خوف کی حد فرما دی کہ اس قدر چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو۔ (۲) معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے تو محمود نہیں۔ خوف مع الرجاء یہی ہے (۳) اور اگر خوف ہو کہ رجا نہ رہے (۴) اور ناامیدی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے اس سے معصیت چھوٹتی نہیں بلکہ آدمی یہ سمجھ کر طاعت سے کیا ہوگا زیادہ معصیت میں پڑ جاتا ہے میں نے خود دیکھا ایک مغلوب کو تب معلوم ہوا کہ شریعت میں جو توسط ہے اس میں یہ مصلحت ہے۔

ایک وکیل صاحب تھے نماز روزہ کے خوب پابند تھے خوف غالب ہوا تو عجیب حالت ہوئی پریشان ہو گئے۔ ایسی حالت تھی کہ زبان سے بات ٹھیک نہیں ادا ہوتی تھی۔ قریب تھا کہ نماز بھی چھوڑ دیں اور یہ سب کچھ ہوا تھا ایک کتاب کو دیکھ کر۔

بغیر استاد کتاب پڑھنے کا نقصان

کتابوں کو بطور خود دیکھنے میں یہ خرابی ہے۔ لوگ کہتے ہیں استادوں کے نخرے کون اٹھائے۔ عبارت اردو ہوتی ہی ہے اس کے سمجھنے میں کیا دقت ہے۔ کیونکہ اردو ہماری زبان مادری ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ہر شخص جس فن کا چاہے بلا استاد پورا عالم بن سکتا ہے۔ کتابیں ہر فن کی موجود ہیں حالانکہ مشاہدہ اور تجربہ اس

(۱) خوف خدا گناہ سے بچنے کی وجہ سے مطلوب ہے (۲) رکاوٹ بن جائے (۳) امید کے ساتھ خوف اسی کا نام ہے (۴) امید۔

کے خلاف ہے۔ جائے استاد خالی است ''استاد کی جگہ خالی ہے''

وجہ یہ ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کتابوں میں ایک جگہ نہیں لکھی جاسکتیں۔ ہر بات علیحدہ علیحدہ لکھی جاتی ہے۔ ابواب فصول اسی لئے مقرر کئے جاتے ہیں اور اگر ایک جگہ متفرق باتیں لکھ دی جائیں تو کتاب کی ترتیب میں فرق آجائے اور ڈھونڈنے والوں کو بڑی دقت پیش آئے کوئی خاص مضمون کہاں تلاش کریں مثلاً نماز وروزہ وزکوٰۃ کے مسائل کتب فقہ میں بلاتفصیل ابواب کیف ماتفق (۱) جمع کردیئے جائیں تو کس قدر دقت ہوجائے کہ ایک ذرا سے مسئلہ کے لئے ساری کتاب پر نظر ڈالنی پڑے۔ جملہ علوم وفنون میں یہی حالت ہے کہ کتاب میں متفرق مضامین ایک جگہ نہیں لکھے جاسکتے۔ تو بطور خود کتاب دیکھنے والے کو اگر کوئی شبہ واقع ہو تو اگرچہ حل اس کا کتاب میں کہیں مذکور ہو مگر چونکہ اس کو اطلاع نہیں ہے کہ وہ حل کہاں مذکور ہے اس لئے دل میں وہ اشکال جم جاتا ہے اور بسا اوقات یہ خیال ہوجاتا ہے کہ کتاب میں غلط لکھا ہے مصنف خود نہیں سمجھا۔ حالانکہ کتاب میں اس باب میں اس کا حل ہوگا۔ اور پڑھانے والا تمام کتاب پر حاوی ہوتا ہے۔ متعلم کے شبہ کرنے سے یا از خود تنبیہاً ہر موقع پر اس کی ضروریات کو بتایا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں سبقاً سبقاً پڑھنا چاہئے اور فنون کی کتابوں سے زیادہ تصوف میں خاص کر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بلا استاد کبھی مطالعہ نہ کرے۔

رہبر کامل کی ضرورت

دیگر فنون میں تو یہ ہے کہ بہت سے بہت بطور خود دیکھنے سے وہ فن نہ آئے

(۱) بغیر ابواب وفصول کی ترتیب کے ایک جگہ لکھ دیئے جائیں۔

گا اور تصوف میں خطرہ ہے کہ آدمی ہلاکت میں پڑ جائے اور ایمان جاتا رہے۔

گر روی صد سال در راہ طلب راہبر نبود چہ حاصل زاں تعب
گر ہوائے ایں سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس برآ
در ارادت باش صادق اے فرید تابیابی گنج عرفاں را کلید
بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نہ شد آگاہ عشق

''اگر راہ طلب میں سو سال تک بلا رہبر کامل کے چلے گا تو تعب ومشقت کے سوا تجھ کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔اے دل اگر اس محبت کے سفر طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو کسی رہبر کامل کا دامن مضبوط پکڑے چلا آ اے فرید m حسن عقیدت اور ارادت کا دامن کبھی نہ چھوڑتا کہ تجھ کو گنج معرفت کی کنجی حاصل ہو جائے بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

شیخ کی راہنمائی کا فائدہ

ان وکیل صاحب نے ''احیاء العلومؒ'' کی کتاب الخوف کو دیکھا تھا اور ایک مقام کو ناتمام سمجھے اس سے ایسا خوف دل میں بیٹھا کہ بات نہ کر سکتے تھے اور نیند اڑ گئی مگر یہ خیریت تھی کہ آپ ہی آپ کوئی رائے قائم نہیں کی جیسا کہ آج کل عادت ہے کہ بزرگوں کے اقوال کتابوں میں دیکھ کر کسی واقف کار سے ان کے سمجھنے کی کوشش تو کرتے نہیں اپنی طبیعت سے جو چاہتے ہیں حکم لگا دیتے ہیں۔حتی کہ ان بزرگوں سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں اور واہی تباہی کلمات بکنے لگتے ہیں یا اُس کے موافق غلط عقیدہ رکھ کر خراب ہوتے ہیں میرے پاس آئے کہ کچھ امید نہیں کچھ ہی کرے کہ جنت ملے گی تمام عمر کوشش کرے اور دنیا کو تلخ کر دے مگر کتاب کا لکھا

ہوا اگر سچ ہے تو خاتمہ ذرا میں بگڑ سکتا ہے جس وقت میرے پاس اس کتاب کو لے کر آئے تو یہ حالت تھی کہ ہاتھ کانپتے تھے زبان لڑکھڑاتی تھی۔ کتاب کی عبارت نہ پڑھی جاتی تھی۔ جیسے کسی کو پھانسی کا حکم سنا دیا جائے۔ اس وقت یہ بات سمجھ میں آئی حد سے زائد غلبۂ خوف اچھی چیز نہیں ہے۔ میں نے اور مقام اسی کتاب کے دکھلائے۔ بحمدللہ! ان کے سب شبہے حل ہو گئے اور قلب کو سکون ہوا۔ کہنے لگے آپ نے مجھے بچا لیا۔ جانے کیا ہوتا میری جان نہ رہتی یا ایمان جاتا۔ لکھا کتاب ہی میں سب کچھ ہے مگر دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ لکھنے والوں نے حتی الامکان سہولت اس قدر کردی ہے کہ اکثر جگہ شبہات بھی حل کرادیئے ہیں لیکن پھر بھی استاد کی ضرورت باقی ہے۔

خوف محمود

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات کسی حقیقت کا زیادہ انکشاف بھی مضر ہو جاتا ہے جیسا ان وکیل صاحب پر استغناء حق (۱) زیادہ متجلی ہوا اور یہ حالت ہوگئی۔ اسی واسطے بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ جیسے تجلی رحمت ہے استتار بھی رحمت ہے (۲) واللہ! اگر تجلی تام ہو جائے تو فنائے عالم ہو جائے یا جان جاتی رہے یا ایمان جاتا رہے۔ میں نے خود دیکھا وکیل صاحب کو کہ قریب تھا کہ نماز تک چھوڑ دیں۔ وجہ کیا تھی صرف غلبہ خوف، اس واسطے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ''من خشتيك ماتحول به بيننا وبين معاصيك '' صرف اتنا خوف چاہتے ہیں کہ معصیت کو مانع ہو اتنا نہیں چاہتے کہ ہم متحمل نہ ہوں۔ معلوم ہوا کہ خوف محمود وہی ہے جو معصیت کو مانع ہو اور جو خوف خود باعث معصیت ہو جائے وہ معصیت کی طرح برا ہے۔

---

(۱) اللہ پاک کی بے نیازی کی تجلی (۲) کسی تجلی الٰہی کا ظہور رحمت ہے اسی طرح اس کا ظاہر نہ ہونا بھی رحمت ہے۔

بڑھاپے میں امید جوانی میں خوف کو غالب رکھے

اسی واسطے لکھا ہے کہ بڑھاپے میں امید غالب رکھے اور جوانی میں خوف، بوڑھے آدمی سے ویسے ہی کچھ نہیں ہوسکتا۔ اگر اور خوف غالب ہوجائے گا تو رہے سہے بھی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور امید میں کچھ نہ کچھ کئے ہی جائے گا اور جوانی میں قوت ہوتی ہے خوف کا تحمل ہوسکتا ہے جتنا خوف زیادہ ہوگا نفس کو تنبیہ ہوگی۔ معصیت سے اجتناب ہوگا اور اعمال حسنہ کی کوشش کرے گا۔ ہر وقت کے واسطے تدبیر جدا گانہ ہے۔ باطن طب بھی ظاہری طب کی طرح ہے۔ کبھی دوا سرد دیتے ہیں (۱) کبھی گرم۔ کبھی تنقید کرنا پڑتا ہے کبھی تقویت۔ اسی طرح باطنی امراض کی تدبیریں بھی مختلف ہیں۔

معلوم ہوگیا ہوگا کہ خوف معین ہے اور ترک خواہشات اصل اب صاف ہے کہ خاف مقام ربہ ذریعہ ہے اور مقصود نہی النفس ہے ذریعہ اسی حد تک محمود ہوتا ہے کہ مقصود تک پہنچائے اور اگر ذریعہ کو اس حد تک پہنچا دیا جائے کہ مقصود فوت ہونے لگے تو یہ مذموم ہے کیونکہ ذریعہ ذریعہ نہ رہا خوف اسی قدر چاہئے کہ نفس کو تنبیہ ہو پس خلاصہ طریق کا ترک ہوا ہے اور خوف (۲) اس کا معین اور یہی حاصل ہے اس گر کا۔

ضرورت غور وفکر

اب دیکھو کہ نوکر کو یہ بتا دینا کہ ناشنا سا کو اندر نہ آنے دینا کہنے میں ذرا سا ہے کرنے میں بہت ہے جو کام کہ فہرست بتانے سے نکلتا وہی اس سے نکلتا

(۱) کبھی ٹھنڈی دوا دیتے ہیں کبھی گرم (۲) طریق سلوک کا خلاصہ خواہشات نفس کا چھوڑنا ہے اور خوف اس کے لئے مدد ومعاون ہے۔

ہے۔ بلکہ فہرست میں تو افراد محدود ہو جاتے۔ اگر ان کے سوا کوئی ناشناسا آنے والا ہوتا تو اس کو منع نہ کرسکتا اور اس لفظ کے بعد ایک کے منع سے بھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتا اور کسی تعداد تک ناشناساؤں کی حد نہ رہی اسی طرح سبحانہ تعالیٰ نے گر بتادیا کہ اگر سوچے تو ولی ہو جائے ایک فرد بھی نافرمانی کا اس سے خارج نہیں۔ دیکھئے نافرمانی ہوتی کیوں ہے۔

مثلاً نماز پڑھی یا تاخیر کر کے پڑھی یا بے توجہی ہوئی۔ حضور قلب کے ساتھ ادا نہ ہوئی۔ اگر غور کیا جائے تو سبب اس کا ضرور ایسا نکلے گا کہ منجملہ افراد خواہش نفسانی کے ہوگا فرض کیجئے کہ نماز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہوا کہ نیند آرہی تھی عشاء کا وقت ہوا مگر آرام میں خلل گوارا نہ ہوا۔ سو کر صبح کردی۔ آرام اور تن پروری خواہش نفسانی ہی ہے تاخیر بھی اکثر جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی دوسرے کسی کام میں لگا ہوا ہو اس کام کے آدھ بیچ میں رہ جانے سے نقصان مال کا اندیشہ ہوتا ہے اس نقصان کو گوارا نہ کیا اور نماز میں تاخیر کردی۔ یہ حب مال ہے کہ منجملہ خواہشات نفسانی ہے اسی طرح نماز میں بے توجہی بھی جبھی ہوگی کہ جب توجہ دوسری طرف ہو۔ توجہ کا ایک طرف نہ رہنے دینا بھی نفس ہی کا کام ہے۔ اس کی خواہش سے ہوتا ہے۔

غرض کسی نے ترک طاعت کیا یا ارتکاب معصیت (۱) تو صرف نفسانی خواہش ہے۔ اس کے اندر سبھی کچھ آگیا۔ ہر چیز میں خیال رکھے کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں۔ جب اس پر کوئی محافظت کرے گا تو ممکن نہیں کہ اس سے معصیت ہوسکے (۲)۔ تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہوسکتا ہے ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کیجئے کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ ضرور ایک فرد معصیت کا ہے پھر اس لذت سے مغلوب نہ ہو جائے اور اس کی مضرت کو

(۱) نیکی کو چھوڑ کر گناہ کو اختیار کیا (۲) گناہ۔

پیش نظر رکھئے۔ اکثر گناہوں میں سب جانتے ہیں کہ مضرتیں ہیں مگر پھر خواہش نفسانی سے مغلوب ہو کر اس کو کرتے ہیں۔

مثلاً غیبت کرنے والا جانتا ہے کہ اگر اس شخص کو خبر پہنچ گئی تو مجھ سے لڑائی ضرور ہوگی اور بہت سے نقصان پہنچیں گے نفع تو کوئی مرتب نہ ہوگا مگر پھر کرتا ہے اور کرنے سے طبیعت کو سکون ہوتا ہے جیسے کسی سے بدلہ لے لیا۔ یہ خواہش نفسانی ہی ہے جس کے سامنے مضرت (۱) کا خوف بھی مغلوب ہو جاتا ہے۔ ایسے بھی پرہیز گار ہیں کہ خود غیبت نہیں کرتے مگر سننے میں مزہ آتا ہے بہت کیا تو جب کسی نے غیبت کی رفع الزام کے لئے کہہ دیا، میاں جانے دو اور پھر رغبت کے ساتھ سن رہے ہیں، دل میں سمجھ رہے ہیں کہ میں غیبت سے محفوظ ہوں۔ بہت احتیاط کرتا ہوں۔ دوسرے کو بھی منع کر دیتا ہوں (قانونی برتاؤ اللہ میں سے) جناب اللہ میاں کو دل کی بھی خبر ہے۔

کار ہا او راست باید داشتن　　　رایت اخلاص وصدق افراشتن

''اس خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھنا چاہئے اور اخلاص وصدق کا علم بلند رکھنا چاہئے''

فریب نفس اور اتباع نفس

فقط زبانی باتوں سے کیا کام چلتا ہے اگر ان کے باپ کو کوئی گالیاں دینے لگے تو کیسے لڑنے لگیں گے۔ ممانعت اس کو کہتے ہیں اس وقت یہ نہ ہوگا کہ ایک دفعہ اسے منع کر دیں اور پھر بیٹھے سنتے رہیں حضرت اس منع سے براءت نہیں ہوتی۔ غیبت میں یہ بھی شامل ہے دیکھئے کہ بعد ممانعت کے اگر وہ خاموش ہو جائے تو ان کے دل میں اشتیاق وانتظار رہتا ہے ظاہراً غیبت نہ کی سہی، ظاہر بینوں کی نگاہ میں پرہیز گار بن جائیں مگر باطن میں تو یہ مرض موجود ہے۔ نفس نے جو خواہش کی

(۱) نقصان۔

تھی اس کا ظاہر تک اثر نہ آیا سہی قلب میں تو اس سے التذ اذ (۱) اور اس کی طرف میلان عزم کے ساتھ موجود ہے۔ یہی اتباع نفس ہے غرض سوچنے والا سمجھ سکتا ہے کہ معصیت (۲) اس سے باہر نہیں جاسکتی۔

نفس کی چالاکیاں

جب کوئی معصیت ہوگی خواہش نفسانی سے ہوگی۔ برائی باوجودیکہ ظاہر ہے مگر نفس کی چال میں بڑے بڑے ہوش مند آجاتے ہیں۔ کوئی چیز رشوت میں مثلاً ملنے لگے تو نفس ضرور بتاتا ہے کہ فلاں فلاں کام تجھے کرنے ہیں ان کے لئے اتنے خرچ کی ضرورت ہے اور ساتھ ساتھ تاویل ذہن میں آتی ہے کہ یہ شخص خوشی سے دیتا ہے اور تجھے ضرورت ہے ہی اس وقت لے لینا چاہئے۔ پھر اللہ میاں کریم ہیں یہ ضرورتیں بھی رفع ہوجائیں گی اور پھر توبہ سے گناہ بھی نہ رہے گا۔ کیسی اچھی بات ہے۔ حضرت یہ سب تدبیریں ہیں جن سے نفس جال میں پھانستا ہے۔ اور اس تاویل کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے کہ جب دل میں خوف ہوتا ہے ورنہ تاویل کی بھی کون سی ضرورت ہے اور اتنی دیر کب گوارا ہے گردن پکڑ کر حکم دے دیا کہ رقم ہرگز نہ جانے پائے بس اس کی تعمیل ہوگئی۔ ہاں جن کو محتاط پاتا ہے ان کے لئے خواہ مخواہ کی ضرورتیں پیدا کردیتا ہے اور سمجھا دیتا ہے کہ ان کو پورا کرنا ہے۔ حالانکہ یہ اسراف ہے مگر ضرورتیں ایسی تراش لیتے ہیں کہ اس کو اسراف بھی نہیں سمجھتے آج کل کے عقلمند اس مرض میں مبتلا ہیں۔

مجھے ایک شخص ملے اور خوش خبری سنائی کہ لڑکا نائب تحصیلدار ہوگیا، میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے اب ذرا صاحبزادہ کو یہ تنبیہ کیجئے کہ اسراف نہ کریں کہا جناب کچھ سامان تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کی آمدورفت ہے یہ کیسے

(۱) دل تو اس سے خوش ہو رہا ہے (۲) گناہ کی کوئی شکل اس سے خارج نہیں۔

ہوسکتا ہے کہ چار بھلے مانس آکر بیٹھیں اور میز کرسی لیمپ وغیرہ گھٹیا رکھے ہوں یا مکان شاندار نہ ہو۔

اسراف اور فیشن

یہ اسراف ہے جسے ضروری سمجھ رکھا ہے حالانکہ ضرورت دو قسم کی ہوتی ہے ایک واقعی اور ایک فرضی واقعی ضرورت کی تو انتہاء ہوسکتی ہے اور فرضی ضرورت کی کہیں انتہاء نہیں۔ ظاہر ہے کہ فرضی میں بے انتہاء گنجائش ہے فرض میں محالات تک بھی آسکتے ہیں۔ جب فرضی ضرورت کی کوئی انتہاء نہیں تو اس کے رفع کے لئے کون سی رقم کافی ہوسکتی ہے۔ دنیا میں جو بھی رقم لی جائے گی متناہی ہوگی۔ پھر متناہی لامتناہی کے برابر (۱) کیسے ہوسکتی ہے۔ اسراف معصیت تو ہے ہی اور وبال اخروی تو آخرت میں ہوگا مگر دنیا میں بھی اس کا نتیجہ دیکھ لیجئے کہ خاندان کے خاندان اس کی بدولت تباہ ہوگئے۔ ایک شادی بھی جس نے کی اس میں فرضی ضرورتیں پوری کیں تو نقدی اور جائیداد اور مال و متاع سب اس کی نذر کر دیا اور پھر بھی پورا نہ ہوا قرض لے کر بمشکل آبرو بچائی۔ پھر اس قرض کے بعد چندے۔ آبرو بھی گئی۔ ذرا سا ختنہ ہے یا بسم اللہ ہے اور اس کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے وہ کہیں نہ کہیں سے آنی چاہئے خواہ رشوت لے کر ہو یا سودی قرض لے کر ہو یا گھر بیچ کر۔ ایسا نہ ہو کوئی رسم رہ جائے یہ سب فرضی ضرورتیں ہیں۔

بیوی کے کان میں پانچ سو کا زیور ہو خواہ میاں کی اوقات دو ہی پیسہ کی کیوں نہ۔ کہیں سے پانچ سو لاؤ تب منہ دکھاؤ۔ میز کرسی پوشاک سب قاعدے ہوں ایسا نہ ہو کوئی بڑا آدمی انہیں چھوٹا کہہ دے حضرت بڑے آدمی کو یہ بھی تو معلوم ہوگا کہ میاں کی اوقات صرف پچاس ہی روپیہ کی ہے پھر بڑا کیسے کہہ دے گا یہ

ضرورت نہیں صرف فیشن ہے۔

شوہروں کی چال

لطف یہ ہے کہ علماء رسموں کو منع کرتے ہیں تو یہ لوگ ان کے شریک ہوجاتے ہیں اور بڑے شکرگزار ہوتے ہیں کہ صاحب یہ تو آپ بڑا کام کرتے ہیں فضولیات کو چھڑاتے ہیں کیا ضرورت ہے کہ اتنا سونا لادلیا جائے جس سے کان کٹ پڑیں۔ یہ روپیہ کسی ایسے کام میں کیوں نہ لگایا جائے جس سے راس المال (۱) محفوظ رہے اور چار پیسے اور ملنے لگیں تجارت کی جائے یا جائیداد خرید لی جائے شادی کی رسمیں مطلقاً چھوڑ دی جائیں اس روپیہ سے لڑکی کے لئے کوئی صورت بسر اوقات کی کیوں نہ کردی جائے۔ آتش بازی وغیرہ سے ذراسی دیر کا حظ نفس نہ ہوا نہ سہی غرض علماء کی تائید کرتے ہیں البتہ پرانی وضع کے لوگوں کو ضرور شاق ہوتا ہے۔ اور ان نئے فیشن کے لوگوں کو جب ترک دین آسان ہوا تو رسم دنیا کیا۔ یہ لوگ ساتھ دیتے ہیں اور بھولے سیدھے لوگ خوش ہوتے ہیں کہ یہ بھی علماء کے ہم خیال ہیں۔ بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ چوری ان کی پکڑی گئی کہ رسموں سے بیوی کو روکتے ہیں اصلاح میزوکرسی کے لئے نہ اس کے لئے کہ اسراف نہ ہو یا روپیہ کسی منفعت کے کام لگے۔ بلکہ اس لئے کہ ادھر سے روپیہ بچے تو اپنے فیشن کو درست کریں میزوکرسی سے کمرہ سجائیں۔ ہارمونیم باجا منگائیں کوئی نیلام سے خالی نہیں جاتا۔ بیوی پر تو تقاضا ہے کپڑا کم پہنو۔ سال بھر کے لئے صرف دو جوڑے کافی ہیں اپنے گھر سب بسر ہوسکتی ہے بہت کرو کہیں جانے کے لئے اجلا جوڑا بنالو زیور جو کچھ میکہ سے لائی ہو وہی کیا تھوڑا ہے۔ بہت ہوس اچھی نہیں ہوتی۔ سادگی کے بھی خلاف ہے۔

(۱) اصل مال۔

ایک صاحب نے بیوی سے کہا ہم کماتے کماتے مرے جاتے ہیں اور تمہیں ذرا خیال نہیں۔ جتنا آتا ہے سب خرچ ہوجاتا ہے ایک پیسہ نہیں بچتا خرچ میں کمی نہیں کرتی بیوی نے کہا، میرے یہاں کوئی بازار کی چاٹ نہیں آتی۔ کوئی چیز ضرورت سے زائد نہیں منگاتی۔ کسی کو ایک پیسہ تمہاری بلا اجازت میں نہیں دیتی۔ جو کچھ خرچ ہے تمہارا ہی ہے میں کس چیز میں زیادہ خرچ کرتی ہوں۔ اور کون سے خرچ میں کمی ہوسکتی ہے۔ کہا نہیں تم نے خرچ بڑھا ہی رکھا ہے۔ اگر ماہانہ رکھو تو اس کی تنخواہ اور خوراک بچے یا نہیں۔ ہم ایک چکی خرید دیں خود پیس لیا کرو اور روز کی پسنہاریوں کی دقت نہ رہے اور پسائی کے دام بچیں اس میں تمہارا ایک اور بھی نفع ہے کہ تندرستی اچھی رہے گی ریاضت کرنا آدمی کے لئے بہت ضروری اور مفید ہے گھر کی لیپ پوت بھی خود کرلیا کرو۔ ذرا ذرا سے کاموں کے لئے مزدور ڈھونڈنے پڑتے ہیں۔ ان سب ترکیبوں سے ایک کافی رقم بچ سکتی ہے۔ تھوڑا ہی تھوڑا کر کے بہت ہوجاتا ہے مگر جب تمہیں خیال ہو۔

غرض بیوی کو سب مدوں میں تخفیف کی تدبیریں بتائی جاتی ہیں۔ وہی بیچاری گلا گھونٹنے کے لئے ہے۔ ہر طرح بسر کرسکتی ہے مگر تمہاری کسی مد میں ذرہ بھر کمی نہ ہو۔ کمرہ میں معمولی لیمپ سے کام نہ چلے برقی لیمپ ہونا ضروری اور وہ بھی بقدر ضرورت نہیں بلکہ دس پانچ رکھے رہیں۔ نازک چیز ہے شاید کوئی ٹوٹ جائے تو دوسرا موجود رہے اور ان میں بھی آج ایک نئی ایجاد ہوجائے تو پہلے خریدے ہوئے سب ردی ہیں اب نئے طرز کے خریدنے چاہئیں وعلیٰ ہذا۔

بیوی کے لئے تو زیور بھی اسراف ہے اور آپ کے لئے کوئی چیز بھی اسراف نہیں۔ بیوی کا اسراف ایک طرح کا ہے پرانے فیشن کا اور میاں کا اسراف

دوسری طرح کا ہے نئے فیشن کا۔ دونوں کو چھوڑ و ترکت اللات والعزیٰ جمیعا ’’میں نے لات اور عزیٰ سب کو چھوڑ دیا‘‘ یہ سب فضولیات ہیں جن کو نفس ضروری بتا کر طلب کرتا ہے ان کی تکمیل خواہش نفس کی تعمیل ہے جس میں بڑے بڑے عقلمند گرفتار ہیں۔ معلوم نہیں عقل کس طرح روا رکھتی ہے کہ اپنے آپ کو دشمن کے ہاتھ دے دیا جاوے جس کی دشمنی دنیا میں بھی ظاہر ہو چکی۔ اسراف کے نتائج آپ نے دیکھ ہی لئے۔ مسلمان کا کام تو یہ تھا کہ ہر کام میں پوچھتا کہ حق تعالیٰ کا کیا حکم ہے بجائے اس کے ہر کام میں شیطان اور نفس سے پوچھا جاتا ہے کہ سرکار کا کیا حکم ہے اور جو اس نے کہہ دیا بے دھڑک کر ڈالا خواہ اللہ کے خلاف یا رسول کے۔

احسانات اور کفران نعمت

مسلمانو! کیا جواب ہوگا اگر پوچھا جائے گا ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ○ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○﴾ ’’پوچھیں گے اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا دشمن ہے میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے اور دیکھ چکے تھے کہ بہتوں کو اس نے گمراہ کر دیا تھا کیا تمہیں عقل نہ تھی اب یہ جہنم موجود ہے‘‘۔

میں کہتا ہوں اگر صرف پوچھا ہی جائے اور دوزخ نہ بھی ہو تو یہ کیا تھوڑا ہے کہ کہا جائے کیوں صاحب ہمارا عہد یاد ہے۔ ہم سے تعلق قطع کر کے باوجودیکہ ہم ہر وقت مہربان تھے اس سے جوڑا، جو ہر وقت دشمن تھا۔ اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ خجالت (۱) اٹھانی پڑے۔ دنیا میں تو قاعدہ مسلمہ ہے کہ بھلائی

(۱) شرمندگی۔

کا بدلہ بھلائی مگر اللہ میاں کے ساتھ معاملہ برعکس کیا جاتا ہے جس قدر اس طرف سے احسانات زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر اس طرف سے کفران نعمت ہوتا ہے جس قدر ادھر سے ساتھ دیا جاتا ہے اسی قدر ادھر سے قطع کیا جاتا ہے اور بمقابلہ محسن کے دشمن کی پیروی ہوتی ہے۔ دشمن نے جس چیز کا حکم کر دیا اس کو کہا جاتا ہے کہ اس کی ضرورت ہے اور اللہ میاں نے جس کا حکم کیا وہ قدرت سے باہر ہے اور ترقی سے روکنے والا ہے۔ حضرت یہ چیزیں جن کو نفس ضروری ثابت کرتا ہے ان میں انہماک سے حق تعالیٰ سے بعد بڑھتا ہے اور غفلت پیدا ہوتی ہے۔

ایں تن آرائی و ایں تن پروری	عاقبت سازد ترا از دیں بری
چوں یھلک عن سبیل اللہ دوست	باہواؤ آرزو کم باش دوست
چوں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست	تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست

''تیری تن آرائی اور تن پروری تجھ کو دین سے دور کر دے گی آرزو اور ہوائے نفسانی کا پیرومت بن چونکہ اس کی یہ حالت ہے کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہکا دیتی ہے جب تک تو خواہش کے تابع ہے تیرا ایمان تازہ نہیں ہے مانند ہوا کے۔ سوائے قفل کے اس کا دروازہ نہیں ہے''۔

دیکھو ایک جگہ کیا شکایت فرماتے ہیں: ار ایت من اتخذ الٰھہ ھواہ اس شخص کو بھی دیکھا تم نے جس نے اپنا معبود خواہش نفسانی کو بنایا۔ ہم کو چھوڑ کر اپنے دشمن کی اطاعت اختیار کی۔ تعجب ہے کہ اللہ میاں نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا احکام کی مصلحتیں بتائیں اور سمجھایا اور خاک نہ سنا۔ اور نفس نے اندر سے ایک شرہ چھوڑ دیا کہ افعل ھٰکذا(۱)۔ بس ایسی بیعت کی ہے کہ کوئی ضرورت نہیں دل کی اور کچھ حاجت نہیں مصلحت دریافت کرنے کی۔ جو حکم ہوا فوراً تعمیل۔ اللہ میاں کے احکام

(۱) یہ کام کرلو۔

میں کبھی ہر ہر بات کی علت ڈھونڈی جاتی ہے اور اس کی مصلحت پوچھی جاتی ہے حالانکہ شرائع میں علل اور مصالح ضرور ہیں مگر ہر شخص کی عقل نارسا کی رسائی تو وہاں تک نہیں پھر ہم کو علت نکالنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب دلیل صحیح سے ثابت ہو گیا عمل کرلیا۔

لوگوں کی تاویلات

کبھی اس میں گنجائش نکالی جاتی ہے کہ کیوں صاحب اس کے خلاف کرنے میں کچھ اسلام سے تو خروج نہیں ہوتا۔ بس جب اسلام سے خروج نہیں ہوتا اور نفس کا حکم خلاف پر ہی ہے جس کو ضرورت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، پھر کیوں نہ کیا جائے۔ یہ حالت بھی ان لوگوں کی ہے جن کو اسلام کا کسی قدر پاس ہے اور دعویٰ ہے کہ ہم شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہتے (خلاف شریعت شاید منحصر فرد واحد ہے (۱) یعنی وہ عمل جس میں خروج عن الاسلام ہی لازم آجائے) اور جو لوگ کہ پورے آزاد ہیں ان کو تو دلیل غیر دلیل سے بحث ہی نہیں۔ ان کے نزدیک گویا خود احکام کا خلاصہ ہوائے نفس ہی ہے (۲) اللہ میاں کے احکام کوئی چیز ہی نہیں۔

جو لوگ اسلام کا پاس رکھتے ہیں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیوں صاحب جس قدر حجتیں (۳) اللہ میاں کے احکام میں ہوتی ہیں اگر نفس کے حکم میں ہوتیں تو کیا حرج تھا۔ اتنی حجت تو کیا اگر نفس سے خواہش کے وقت صرف اتنا ہی پوچھ لیا کریں۔ کہ واقعی ہے یا فرضی تب بھی تو بہت سی برائیوں سے حفاظت ہو جائے۔ مگر کہاں اس کے تو ہاتھ میں ایسی باگ دی ہے (۴) کہ جب وہ کہے چل چلنا پڑتا ہے اور جب کہے ٹھہر ٹھہرنا پڑتا ہے۔ نفس اگر خندق میں گرائے تو خندق ہی میں گرنا پسند ہے اور اگر آسمان پر چڑھائے تو آسمان پر چڑھنا قبول ہے اللہ میاں نے ایک

---

(۱) خلافِ شریعت عمل سے صرف وہ عمل مراد لیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اسلام سے خارج ہونا لازم آئے
(۲) نفسانی خواہشات (۳) بحثیں اور تحقیقات (۴) لگام۔

حکم کیا کہ اس میں مصلحت تھی اس کو نہ کیا اور نفس نے ایک خواہش کی جس میں سراسر مضرت تھی اس کو کر ڈالا۔

ایک تاجر سے کوئی سو کا مال پچیس اوپر سو کو خرید تا تھا مگر نہ دیا اور دیا کہاں جہاں پچیس اور کم ملے نہ معلوم اول خریدار سے اس کو اتنی منافرت کیوں ہے اس کا اتنا خیال کہ پچیس زیادہ دیتا ہے گویا اپنا نقصان کرتا ہے کہ تجارت میں کچھ اس کے پلے پڑ رہے اور ان کو ایسی ضد کہ اپنا مال پھینکیں گے اور خسارہ ہی دیں گے مگر تمہاری مخالفت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ افسوس!

گناہ کے دنیاوی نقصانات

خواہش نفسانی وہ بری چیز ہے کہ دنیا کی بھی خرابی اور دین کی بھی صدہا معصیتیں ہیں(۱)۔ کہ ان میں دنیاوی نقصان ہیں۔ معصیت(۲) میں دنیا کی بھی مضرتیں(۳) ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ میاں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں آدمی اسباب کو جمع کرتا ہے مگر وہ اسباب مودی الی المسبب(۴) بہت کم ہوتے ہیں ہر کام میں پریشان رہتا ہے بعض آدمی ذرائع کم رکھتے ہیں اور کام زیادہ نکلتا ہے اس کے برعکس اس کو ذرائع زیادہ رکھنے پڑتے ہیں اور کام اتنا بھی نہیں ہوتا۔

ایک یہ کہ رزق میں تنگی ہوتی ہے آپ کہیں گے کہ ہم پر تو تنگی نہیں میں کہتا ہوں کہ رزق سے مقصود کیا ہے۔ اطمینان! یہ معصیت کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا۔ اطمینان فراغ قلب(۵) کا نام ہے ناجائز طریق سے کتنا ہی مال حاصل کر لیجئے مگر جو نشاط(۶) اور بے فکری قلب کو تھوڑے حلال کے مال سے ہوتی ہے وہ ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ ایسی بات ہے کہ تجربہ ہی سے معلوم ہوسکتی ہے وجدانی سی بات ہے۔

(۱) سینکڑوں نافرمانیاں (۲) گناہ (۳) نقصانات (۴) ان اسباب کے ذریعہ بہت کم مقصود تک پہنچا جاتا ہے (۵) اطمینان دلی پریشانی نہ ہونے کا نام ہے (۶) خوشی۔

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چوما شدی بدانی

''ایک شخص نے پوچھا عاشق کس کو کہتے ہیں میں نے جواب دیا کہ جب ہماری طرح ہوجاؤ گے تو تجھ کو معلوم ہوگا کہ عاشقی کیا ہے''

عنین (۱) محض کو کتنا ہی سمجھاؤ کہ عورت کی یہ لذت ہوتی ہے مگر وہ ہرگز نہ سمجھے گا اور الٹا تمہیں کو بے وقوف بنائے گا۔ اگر اس کو سمجھانے کی کوئی تدبیر ہے تو بس یہ کہ اس کا علاج کرو۔ جب قوت رجولیت (۲) پیدا ہوجائے گی آپ بے وقوفی اور عقلمندی کو سمجھ لے گا۔ معصیت کو چھوڑ کر طاعت اختیار کرو۔ دیکھو قلب میں کیا بات پیدا ہوتی ہے۔ آشکارا ہوجائے گا (۳) کہ اطمینان یہ چیز ہے۔

نیکی کا فائدہ

اس پر دلیل فلسفی بھی ہے وہ یہ کہ معصیت کرنے والا غیر اللہ کا طالب ہے اور اس تک پہنچ جانا اور اس کو پالینا ضروری نہیں اور مطیع طالب ہے اللہ میاں کا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہیں ادھر سے ذرا سی کوشش چاہیے ادھر سے خود کرم فرماتے ہیں غیر اللہ کی طلب پر چونکہ نتیجہ کا ترتب ضروری نہیں اس لئے کامیابی نہیں ہوتی اور دل کو فراغ حاصل نہیں ہوتا اور اللہ میاں کی طلب پر نتیجہ مترتب ہوجاتا ہے اس لئے قلب کو راحت ملتی ہے اسی کا نام اطمینان اور فراغ ہے۔ طاعت وہ چیز ہے کہ اس کی لذت وہی جانتا ہے جو پاتا ہے۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزموں را یک زمانے خاک باش

ارے غافل پتھر تو برسوں رہا ہے امتحان کے لئے ذرا دیر خاک ہوکر بھی دیکھ

''پھر تو پتھر ہونے کا نام بھی نہ لے گا۔ خاک ہونا وہ چیز ہے کہ خاک ہوکر پتھر ہونا کسی نے قبول نہیں کیا۔ اور پتھر بہتیرے خاک ہوگئے''۔

(۱) نامرد (۲) مردانہ قوت (۳) واضح ہوجائے گا۔

طاعت وہ چیز ہے کہ جب تک کسی نے کی نہیں جبھی تک وہ علیحدہ ہے جہاں تھوڑی سی بھی کی پھر طاعت خود اس کو نہیں چھوڑتی۔ وہ چھوڑنا چاہتا ہے مگر یہ دوڑ دوڑ کر لپٹتی ہے کر کے دیکھو۔ امتحاناً سہی۔

طاعت کا اثر

میں کہتا ہوں امتحان کرنے سے تو اثر کیا بھولے سے بھی طاعت اگر ہوگئی تو اثر ضرور کرے گی کپڑا بھولے سے رنگ میں گر جائے تو گو وہ بات نہ آئے گی کہ اگر کوئی قصداً رنگتا مگر دھبے تو ضرور ہی پڑ جائیں گے تجربہ ہوا ہے کہ لوگوں کو دھوکے سے طاعت ہوگئی اور اثر ہوگیا۔

قصہ مشہور ہے کہ ایک چور بادشاہ کی لڑکی پر عاشق تھا ایک روز کہیں چوری کے ارادہ سے بادشاہ کے یہاں پہنچ گیا۔ وہاں بادشاہ اور بیگم میں اسی لڑکی کی شادی کی نسبت گفتگو تھی بادشاہ کہہ رہے تھے کہ میں تو اس کی شادی کسی ایسے شخص سے کروں گا کہ نہایت عابد وزاہد اور متقی ہو۔ یہ چور صاحب چوری تو بھول گئے اور بہت غنیمت سمجھا کہ آج خوب کام بنا۔ وہاں آ کر ایک مسجد میں جا بیٹھے اور دن رات عبادت کرنا شروع کی۔ تہجد بھی، اشراق بھی، چاشت بھی، غرض عبادت ہی سے کام تھا۔ لوگوں میں شہرہ ہوا کہ ایک بڑے عابد صاحب تشریف لائے ہیں۔ رفتہ رفتہ تمام شہر میں ان کی شہرت ہوگئی۔ ادھر بادشاہ نے آدمی تعینات کر رکھے تھے کہ دیکھو شہر میں سب سے زیادہ عابد و پرہیزگار کون ہے ان مخبروں نے خبر دی کہ ایک عابد صاحب فلاں مسجد میں قیام رکھتے ہیں ان سے زیادہ متقی و پرہیزگار کوئی نظر نہیں آتا۔ بادشاہ نے خاص وزیر کو ان کے پاس پیغام دے کر بھیجا۔ اور یہاں کام ہو چکا تھا۔ انہوں نے التفات بھی نہ کیا۔ خیر وزیر نے نہایت ادب سے پیغام شاہی سنایا تو انہوں نے جواب دیا کہ دراصل نیت تو میری فاسد تھی، اس شہزادی سے شادی کی غرض سے

عبادت شروع کی تھی مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا۔ اب مجھے نہ آپ کی بیٹی کی ضرورت ہے نہ آپ کے جاہ وحشم کی بس تشریف لے جایئے اور میرا وقت ضائع نہ کیجئے۔

طاعت ایسی ہی چیز ہے کہ بعض اوقات گو اس میں غرض صالح نہ ہو۔ مگر انجام کار اسی سے درستی ہوجاتی ہے دیکھا جاتا ہے کہ بہت لوگ اغراض فاسد سے اسلام قبول کرتے ہیں لیکن آخر کو وہی اسلام کامل ہوجاتا ہے ایسوں کے اسلام کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ بعض لوگ غافل نادان کہتے ہیں کہ ان بھکاریوں کو مسلمان نہ کرنا چاہئے ان لوگوں نے پیشہ کرلیا ہے ان کے مسلمان کرنے کا نتیجہ ہی کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ مسلمانوں سے روپیہ ٹھگتے پھریں۔ کوئی کہتا ہے کہ میرے ذمہ اتنا قرضہ تھا۔ مسلمان لوگ مل کر ادا کردیں کوئی کہتا ہے مجھے روزہ نماز سیکھنے کے لئے فلاں فلاں کتاب کی ضرورت ہے مسلمان لے دیں اس میں اسلام کی بدنامی ہے کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔

مجھ سے ایک صاحب یہی فرماتے تھے۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ اگر ایسی بدنامی کی وجہ سے اخراج عن الاسلام کریں تو آپ میں بھی ایسے عیوب ہیں جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے۔ ان کی وجہ سے آپ کو اسلام سے کیوں نہ نکال دیں۔ نیا مسلمان تو خواہ جنید بغدادی m ہی ہو، اور یہ موروثی شیطان بھی ہو تو پرواہ نہیں ہے۔

ریا اور عبادت

میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ بعض اوقات مسلمان کسی طمع (۱) سے ہوتا ہے۔ مال کی طمع ہو یا اور کسی چیز کی۔ مگر اسلام وہ چیز ہے کہ خود دل میں جگہ کرلیتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے۔

تعلمت العلم بغیر اللّٰہ فابی العلم الا ان یکون للّٰہ میں نے علم سیکھا تو

(۱) لالچ۔

تھا غیر اللہ کے لئے مگر علم نے خود نہ مانا اللہ ہی کا ہو کر رہا۔

آگ جلاؤ اور یہ قصہ نہ کرو کہ لکڑی جلے۔ تھوڑی دیر میں لکڑی راکھ ہو جائے گی آگ میں یہ اثر کہ لکڑی خود گھس جاتی ہے آپ کے قصد(۱) پر موقوف نہیں۔ کسی بزرگ سے کسی نے کہا، دیکھئے صاحب فلاں آدمی دکھلاوے کا ذکر کیا کرتا ہے کہا تو دکھلاوے کا بھی نہیں کرتا۔ وہ دکھلاوے کا کرتا ہے مگر کرتا تو ہے کبھی نہ کبھی ذکر اس کے دل میں جگہ کر ہی لے گا اور تجھے کیا امید ہے۔

ہمارے حضرت فرماتے تھے عبادت اول ریا ہوتی ہے چند روز میں عبادت ہو جاتی ہے پھر عبادت اور اخلاص اور واقعی یہ بات بالکل صحیح ہے دیکھ لیجئے کہ بچپن میں آدمی نماز پڑھتا ہے اس وقت کیا حالت ہوتی ہے پھر سن شعور میں اور کیفیت ہوتی ہے اور بڑی عمر میں کچھ اور ہی بات پیدا ہو جاتی ہے بچپن میں استاد یا والدین کے خوف سے پڑھی جاتی ہے۔ اگر کسی وقت ان کی نگرانی نہیں ہوتی تو ٹال بھی دی جاتی ہے یا بے وضو ہی اڑا دیتے ہیں۔ یہ ریا کاری ہے پھر پڑھتے پڑھتے سن شعور میں پہنچ کر طبیعت مانوس ہو جاتی ہے اور جیسا کہ اور امور ضروری کا تقاضا ہوتا ہے ایسا ہی نماز کا ہونے لگتا ہے۔ تاوقتیکہ ادا نہ کر لی جائے طبیعت پر بار رہتا ہے اگر نفس کبھی ٹالنا چاہتا ہے تو زائد سے زائد تاخیر کی نوبت آتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ قضا کریں یہ مرتبہ عادت کا ہے اس کے بعد تو بحمد اللہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بلا نماز چین ہی نہیں پڑتا۔ یہ مرتبہ اخلاص کا ہے۔

غرض عبادت ابتداءً کسی کیفیت کے ساتھ ہو مگر کبھی نہ کبھی خود دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے اس کا تجربہ مدرسہ میں رہ کر اچھی طرح ہوا۔ بہت سے طلبا کو دیکھا کہ اول ان کی نیت اچھی نہیں ہوتی مگر فارغ ہوتے ہی مخلص بن جاتے ہیں بالکل

(۱) ارادہ۔

حالت پلٹ جاتی ہے وجہ یہی ہے کہ اول اگرچہ نیت ٹھیک نہ تھی مگر شروع ایسی چیز کو کیا ہے کہ وہ خود ٹھیک کر لیتی ہے۔

یہی بات ہے کہ اس کو جو لوگ نہیں جانتے ہیں وہ طالب علموں کی ابتدائی حالت دیکھ کر طرح طرح کے اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ بالکل مہمل ہوتے ہیں۔ دنیا سے تو ناآشنا ہیں ہی دین میں کیا کمال پیدا کیا۔

طالب علموں سے لوگوں کا برتاؤ

میں کہتا ہوں ابھی ان کی حالت کیا دیکھتے ہو۔ پڑھتے رہو۔ انہیں میں مقتدا لوگ ہوں گے اور انہیں میں غزالی وقت بھی ہوں گے طالب علموں سے اگر ذرا سا قصور ہوجائے تو تمام شہر میں سن لیجئے اسلامی مدرسہ والوں نے یوں کیا۔ کس قدر مغائرت (۱) اس لفظ سے ٹپکتی ہے آپ کو ان سے تعلق رکھنا چاہئے یا قطع کرنا یہ تمہارے دین کے حامل ہیں (۲)۔ ان سے قطع کرنا کس سے قطع کرنا ہے آپ کو ان سے تعلق ہی رکھنا چاہئے۔

طلباء کی دلداری کی ضرورت

اگر آپ کا بچہ بازار میں کسی سے لڑ آئے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہوجائے کہ سراسر زیادتی اسی کی تھی تو آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔ اگر لڑائی کے وقت آپ پہنچ جائیں گے تو لڑکے کی زیادتی اور عدم زیادتی کی طرف تو خیال بھی نہ ہوگا۔ اس وقت تو اسی کی حفاظت کریں گے اور جس طرح ممکن ہوگا۔ اس کی بات نیچی نہ ہونے دیں گے پھر اس غصہ کے فرو (۳) ہونے کے بعد علیحدگی میں بچہ کو فہمائش کریں گے کہ آئندہ ایسی زیادتی نہ کرنا (یہ بھی جب ہے کہ آپ بہت ہی حق پسند ہوں ورنہ باطل ہی کی پیروی ہوگی اور اس کو کچھ ملامت وغیرہ نہ ہوگی) اور اگر کوئی غیر آدمی پوچھے گا کہ میاں کیا بات تھی تو یا تو اپنے بچہ کو بے قصور کہیں گے اور

(۱) اس لفظ سے کتنی اجنبیت ظاہر ہوتی ہے (۲) تھامنے والے (۳) غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد۔

اگر بالکل ہی صریح خطا ہوگی تو کہہ دیں گے کچھ نہیں بازار میں ایک آدمی سے جھگڑا ہوگیا تھا۔لڑکا تیز مزاج ہے، دبتا کسی سے ہے نہیں، بات بڑھ گئی۔

اپنے بچہ کے عیب کو کیوں مشہور نہ کیا۔اس کا عیب عیب نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ اس سے آپ کو طبعی تعلق ہے اس کی بدنامی اپنی بدنامی ہے بچہ سے طبیعت کے حکم سے تعلق ہے، طالب علم سے حق تعالیٰ کے حکم سے تعلق رکھا ہوتا۔اس کے قصور کو بھی اپنے بچہ کے قصور کی طرح دبایا ہوتا۔بچہ کی بدنامی میں اپنی بدنامی سمجھی تھی۔طالب علم کی بدنامی میں اپنے دین کی بدنامی سمجھی ہوتی۔

طلباء کو فہمائش کا طریقہ

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر ان کے قصور نہ پکڑے جائیں تو ان کو تنبیہ کیوں کرہو، میں کہتا ہوں اپنی طبیعت سے ہی انصاف کرلو جس طرح اپنے بچہ کو تنبیہ کرتے ہو اسی طرح طالب علم کو کرتے ہو یا نہیں۔

فرض کرلو کہ تمہارا بچہ اس قدر شریر ہو کہ باوجود فہمائش کے بھی نہ مانے اور بد سے بدتر حرکتیں کرے جس سے خاندان پر دھبہ آجائے ننگ و ناموس کو بٹہ لگ جائے تب آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں کیا اس سے بالکل قطع تعلق کردیتے ہیں یا قطع تو نہیں کرتے اور اگر کوئی قطع بھی کردے، تو دل پر وہ صدمہ رہتا ہے کہ موت سے بدتر ہے باوجود قطع کے تمام عمر یہی چاہتے ہیں کہ کاش یہ احمق اپنی حرکتیں چھوڑدے۔خود سمجھانے سے جب اثر نہیں ہوتا تو جن کا وہ لحاظ کرتا ہے ان سے فہمائش کرائی جاتی ہے۔

طلباء سے مشفقانہ برتاؤ

طالب علم کے کسی بڑے جرم پر تو کیا ایک چھوٹے سے قصور پر بھی میں پوچھتا ہوں کہ اسی طرح مشفقانہ تنبیہ ہوتی ہے یا اجنبیانہ۔اگر اسی طرح مشفقانہ تنبیہ

آپ کرتے ہیں تو الحمدللہ وھوالمقصود[۱] اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں پھر کہتا ہوں کہ ان سے آپ نے قطع کیوں کیا کیا وہ آپ کے دین کے محافظ نہیں ہیں یا آپ کے ذمہ دین کی حفاظت نہیں ہے۔ ایک کے قصور پر آپ سب کو بدنام کرتے ہیں کیا آپ کے سب بچے ایک ہی سے صالح ہوتے ہیں یا بچپن ہی سے آپ کے بچے تمیز دار ہوتے ہیں ان میں بھی اگر ایک کم سمجھ ہے تو بڑے بڑے سمجھدار بھی تو ہیں آج اگر یہ کم استعداد ہیں تو کل امام وقت اور غزالی وقت بھی تو انہی میں سے ہوں گے۔ ابتدائی حالت دیکھ کر ان پر اعتراض نہ کرو ہر طاعت کی ابتدائی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ طاعت ہونی چاہئے خواہ کسی طرح ہو پھر طاعت آدمی کو خود درست کرلیتی ہے۔ اور طاعت ایسی چیز ہے کہ اس میں دینی اور دنیاوی دونوں نفع ہیں۔ رزق میں کشائش ہوتی[۲] ہے اگرچہ آدمی چنداں مالدار نہ ہو، مگر طاعت کے ساتھ عجیب طرح کا اطمینان اور فراغ قلب ہوتا ہے۔ اور برعکس اس کے معصیت سے رزق میں تنگی ہوتی ہے اور اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا اس کے علاوہ اور بھی مضرتیں ہیں جو معصیت پر متفرع ہیں۔

ایمانداری کی مثال

غرض فرمانبرداری سے ہمیشہ مسرت ہوتی ہے اور معصیت سے مضرت[۳] اور یہ تو لازمی مضرتیں ہیں۔ اکثر مضرتیں متعدی ہوجاتی ہیں۔ جیسے کہ غیبت کہ جب ایک آدمی کسی کی غیبت کرے گا تو دوسرے کو خبر پہنچے ہی گی پھر وہ کیوں نہ کرے گا بلکہ اس سے زیادہ کرے گا اس سے دونوں میں عداوت[۴] پیدا ہوگی۔ پھر عداوت وہ چیز ہے کہ جب دو میں پڑجاتی ہے تو دونوں کا نماز روزہ سب

(۱) یہ تو مقصود ہی ہے (۲) فراخی (۳) گناہ سے نقصان (۴) دشمنی۔۔

عداوت ہو جاتی ہے۔ اٹھنے میں، بیٹھنے میں، سونے میں ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کو نقصان پہنچے نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچی جارہی ہیں یہ کیا نماز ہوئی شغل قلب ہوا اور کاہے سے حرام چیز ہے۔ منہ میں روزہ ہے اور زبان دوسرے کی غیبت سے آلودہ ہے دل میں خوش ہیں کہ روزہ ہے یہ خبر نہیں کہ روزہ میں ان چیزوں کو تو چھوڑا جو فی نفسہ حلال تھیں یعنی کھانا پینا اور جو چیز ہمیشہ حرام ہے اس کو نہ چھوڑا تو کیا روزہ ہوا۔

غرض یہ عداوت اسی غیبت کی بدولت ہوئی اور عداوت وہ چیز ہے کہ قلب کو ایک ہی طرف کر لیتی ہے اور صرف ایک کام رہ جاتا ہے مضرت رسانی(۱) آپ جانتے ہیں کہ چھوٹا سا لفظ کس قدر شر کو جامع ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ اظہر من الشّمس ہے یہ اتحاد کا ضد ہے(۲) جتنی چیز دنیوی و دینی اتحاد میں ہے اتنا ہی شر(۳) بمقابلہ اس کے اس میں ہے یہ سب کاہے سے ہوا صرف ذرا اسی غیبت سے یہ معصیت کی متعدی مضرت کی مثال ہوئی یہ بھی خواہش نفسانی کا ایک فرد ہے۔

خواہش نفسانی کی ایک اور خرابی سنئے میرا اور آپ کا جائیدا پر مقدمہ ہے ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ مجھ کو ہی پورا مل جاوے بس لڑائی ہوگئی اگر دونوں یہ کہتے کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے تو طول کاہے کہ کھنچتا مقدمہ بازی کی نوبت کیوں آتی اور باہمی نفاق اور عداوتیں کیوں پیدا ہوتیں۔

نیک نیتی اور بدنیتی کی مثال

چنانچہ حدیث شریف میں ایک قصہ ہے (امم سابقہ میں بھی بڑے بڑے اچھے لوگ ہوئے ہیں، ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک مکان بیچا، مشتری نے

(۱) دوسرے کو تکلیف پہنچانا (۲) سورج کی طرح یہ بات واضح ہے کہ یہ اتحاد کی ضد ہے (۳) فساد۔

جب دخل لیا تو اس میں ایک گھڑا سونے کا بھرا ہوا پایا۔ وہ گھڑا لے کر بائع کے پاس آیا کہ لو اپنا گھڑا لے لو۔ تمہارے مکان میں سے نکلا ہے اس نے کہا میں تو مکان کی قیمت لے چکا میرا اس میں کیا ہے اس نے کہا کہ میں نے تو قیمت مکان کی دی ہے اس پر عقد ٹھہرا(۱) ہے یہ گھڑا عقد میں شامل نہیں، میں کیسے لے لوں۔ ایمانداری اسے کہتے ہیں اگر آج کل گھڑا نکل آئے تو مزہ آجائے۔

کانپور میں دو آدمیوں نے کہیں سن لیا تھا کہ شب براءت میں جو کچھ دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے شب براءت کو دونوں ایک مٹی کا بڑا ڈھیلا لے کر بیٹھے اور اس پر ایک رومال ڈھانک دیا اور دعا مانگنی شروع کی کہ یا اللہ یہ مٹی سونا ہوجائے تمام رات جاگے اور اسی دعا میں رہے جوں جوں صبح قریب ہوتی تھی اشتیاق بڑھتا جاتا تھا کہ اب یہ سونے کا ہوجائے گا۔ بمشکل صبح پکڑی اور جلدی سے اس کو کھولا دیکھا تو وہی مٹی، ساری آرزوئیں خاک ہوگئیں اور دل مرگیا کہ شب قدر بھی خالی گئی جس پر بڑا اعتماد تھا طرح طرح کے شیطانی خیال دل میں آئے کہ دعا کو ویسے بھی سنا کرتے تھے۔ کہ قبول ہوتی ہے اور آج تو شب قدر تھی۔ اسی تردد میں بیٹھے تھے خیریت ہوئی کہ بندہ خدا ایک درزی آگیا یہ کچھ اہل علم کی صحبت پائے ہوئے تھا۔ اس نے پوچھا، کیسے سست ہو۔ انہوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ کہا بھائی شکر کرو اسی میں کچھ حکمت ہوگی ایک ذراسی بات تو مجھے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ میاں تمہارے بدخواہ نہیں ہیں۔ تم نے تو یہ سمجھا کہ مٹی سونا بننے میں تمہارا نفع ہے مگر تھا نقصان۔ ابھی جب صبح تم نے ڈھیلے کو کھولا اگر وہ سونے کا نکلتا تو تم دونوں میں لڑائی تو ابھی ہوتی پھر جانے کہاں تک طول کھنچتا۔ ممکن ہے کہ ڈھیلا کسی تیسرے کا ہوجاتا اور تم دونوں میں لڑائی مفت میں بند جاتی۔ آدمی سمجھدار تھے دونوں کی تسکین

(۱) معاملہ طے ہوا ہے۔

ہوگئی موہوم سونے کے لئے تو اتنی محنت کی کہیں سونے کا گھڑا نظر پڑ جائے تو جانے کیا ہو۔ اس کو دیکھئے کہ گھڑا مالک مکان کو دینے آیا اور مالک کو دیکھئے کہ لینے سے انکار کردیا وہ لوگ ایسے تھے۔

ایثار کی نادر مثال

صحابہ کا ایک قصہ کتاب میں آتا ہے کہ ایک غزوے میں بہت سے آدمی شہید ہوئے چند آدمی نزع کی حالت میں تھے موت کے وقت تشنگی (۱) کا غلبہ ہوتا ہے۔ ایک شخص نے آواز دی کہ کوئی میرے حلق میں ذرا سا پانی ڈال دے تو بڑا کام کرے ایک بندۂ خدا کاسہ (۲) میں پانی لے کر پہنچے اور چاہتے تھے کہ ان کے منہ میں ڈالیں کہ اتنے میں ایک طرف سے اور آواز آئی کہ ذرا سا پانی کوئی پلاتا۔ انہوں نے پڑے پڑے کہا کہ پہلے ان کو پلاؤ، پھر مجھے پلانا یہ شخص پیالہ لے کر ان کے پاس پہنچے پلانا ہی چاہتے تھے کہ اسی طرح اور ایک آواز آئی غرض مقتل میں چھ سات جگہ اسی طرح پانی لئے پھرے اور سب یہی کہتے رہے کہ پہلے میرے بھائی کو پلاؤ۔ اخیر میں جن کے پاس پہنچے ان کو پلانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ دم آخر ہوگیا۔ یہ شخص واپس ہوئے اور پہلوں کے پاس پانی لائے جس کو دیکھا دم آخر ہو چکا ہے۔ ایک نے بھی پانی نہ پیا اور پیالہ بھرا ہوا لے کر چلے آئے۔ ایثار اس کو کہتے ہیں۔

پانی وہ چیز ہے کہ سفر حج میں دیکھا ہے کہ باپ بیٹے کو پیاس میں چھوڑ دیتے ہیں۔ موت کے وقت کی پیاس کا کیا حال ہوگا۔

اتباع ہواء

غرض ہم میں جو بجائے ایثار کے کشاکشی اور نزاع وجدال ہے اس کی وجہ ہی اتباع ہوا ہے یہی باہم اتفاق نہیں ہونے دیتا آج کل سب نے یاد کرلیا ہے،

(۱) پیاس لگتی ہے (۲) پیالے میں۔

اتفاق اتفاق، یہ خبر نہیں کہ اتفاق کا ہے سے ہوتا ہے۔ اتفاق ہوتا ہے خواہش نفسانی کو روکنے سے۔ دو شخصوں میں جب جھگڑا ہوگا کسی ایسی چیز پر ہوگا کہ ہر ایک ان میں سے اس کی خواہش رکھتا ہوگا اگر وہ دونوں اپنی خواہش کو روک لیں اور اس چیز کی طلب چھوڑ دیں تو پھر جھگڑا کیسا اور نااتفاقی کہاں۔ اتفاق اتفاق کہتے رہیئے اور نفس کو روکئے نہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے۔

غرض جملہ شروں کی جڑ اگر ہے تو خواہش نفسانی ہی ہے خواہش نفسانی روکنے کی چیز ہے دیکھئے اگر روکا نہ جائے نفس کو تو کیا انجام ہوتا ہے اس نکتہ کو سب ہی نے سمجھا حتیٰ کہ حکام میں سے ان لوگوں نے جن کو مذہب سے علاقہ بھی نہیں۔ حاکم کیا کرتا ہے بعض افعال سے روکتا ہے اور بعض کی اجازت دیتا ہے۔ جن افعال سے روکتا ہے وہ وہی تو ہیں جن کو لوگ کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے نزدیک باعث مضرت ہیں معلوم ہوا کہ دنیاوی مصلحتوں کا مقتضا بھی یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت نہ دی جائے اگر حاکم ان افعال سے نہ روکے تو دیکھئے کیا ہو۔ ڈاکوؤں کو ڈاکہ ڈالنے دے، چوروں کو چوری کرنے دے، زیردستوں پر زبردستوں کو ظلم کرنے دے، غرض ہر شخص کو مخلی بالطبع (۱) کردے کہ اپنی خواہش کے موافق جو چاہو کرو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حالت میں کس لطف سے زندگی بسر ہوگی۔

قانون کیا ہے ملک کے افعال کی ایک حد قائم کرنے والی چیز ہے یا کوئی اور، جو کوئی حد سے گزرے اس کو جزا وسزا ہوتی ہے، جب اس گزرنے میں کچھ برائی سمجھی گئی ہے تب ہی تو اس پر جزا اور سزا ہے سب کو مخلی بالطبع (۲) کیوں نہ چھوڑ دیا گیا۔ فرض کیجئے کسی کو روپیہ کی ضرورت ہے یا ضرورت نہیں بھی ہے یوں ہی کسی سے چھیننے کو جی چاہتا ہے تو اس کو کیوں منع کرتے ہو اور اگر چھین لے تو

(۱) ہر شخص کو آزاد چھوڑ دے (۲) آزاد۔

چالان کیوں ہوتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے ضرورت ہے یا میرے جی کو کیوں مارتے ہو۔ خواہش پوری کرنے دو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اجازت دینے میں کوئی ایسی مضرت ہے کہ اس کے مقابلے میں ضرورت کا بھی خیال نہیں کیا جاسکتا۔

محبت الٰہی اور مصلحت دنیوی

دنیاوی انتظامیوں کو بھی دیکھ کر یہ بات صاف نکلتی ہے کہ خواہش نفسانی روکنے ہی کی چیز ہے اگر خواہش نفسانی روکنے کی چیز نہیں ہے تو اپنے گھر میں بی بی کو کیوں روکتے ہو اس کو تو طرح طرح سے سمجھاتے ہو زیادہ زیور فضول ہے پوشاک میں زیادہ تکلف سے کیا فائدہ مگر اپنے نفس کو نہیں روکتے اگر آزادی ہی پسند ہے تو بی بی کو بھی آزادی دو جس طرح چاہے خرچ کرے اور اگر آزادی میں نقصان ہے تو جس طرح بی بی کو بے فائدہ کاموں سے روکتے ہو اپنے نفس کو بھی پابند کرو مگر دونوں کے آزاد ہونے کو تو کوئی پسند نہ کرے گا تو لامحالہ دوسری ہی شق رہ گئی کہ دونوں پابند ہوں۔ پابندی وہ چیز ہے کہ کسی کو اس سے چارہ(۱) نہیں فرق اتنا ہے کہ جو عقلمند ہیں بالاختیار کرتے ہیں اور کم عقل جبراً اور قہراً پابند بنائے جاتے ہیں۔ آپ نفس کو بالکل آزاد کسی طرح نہیں کرسکتے۔ اگر قانون خداوندی سے آزاد کردیا تو اللہ میاں نے دنیا میں کچھ نہ کہا، تو قانون دنیاوی پابند بنانے کے لئے موجود ہے اور دست بدست سزا تیار ہے بہت سی خواہشیں ہیں کہ قانون کی وجہ سے چھوڑ دینی پڑتی ہیں کیونکہ ان پر عمل کرنے سے سزا ہوتی ہے۔

اے مسلمانو! قانون کی وجہ سے تم نے خواہش نفسانی کو چھوڑ دیا اور اللہ رسول کے حکم سے نہیں چھوڑتے کیا غضب کی بات ہے اگر قانوناً ممانعت ہوجائے تو ایک بھی حیلہ باقی نہ رہے۔ اور اللہ میاں اگر کسی کام کی ممانعت کریں تو اس میں

(۱) اس سے بچا ہوا نہیں۔

حیلے نکالے جائیں اور ایسی ایسی تاویلیں کی جائیں کہ تاویل کے مرتبہ سے نکل کر تحریف تک پہنچ جائیں اور اگر بالکل ہی صریح حکم ہو تو اس کا مقابلہ ضرورت سے کیا جاتا ہے کہ حکم تو یہی تھا مگر اب ضرورت ہے قانون کے مقابلہ میں یہ ضرورتیں کہاں چلی جاتی ہیں۔ افسوس محبت الٰہی مصلحت دنیوی کے برابر بھی نہ ہوئی۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

''مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہو اس کے لئے کوچہ گردی زیادہ بہتر ہے''

ایک مردار اور عورت اگر کہے رات بھر کھڑے رہو تو کر گزریں اور اللہ میاں کے حکم سے عشاء کی نماز بھی بھاری ہے۔

اتباع حق کی ضرورت

ایک شخص کا قصہ ہے (یہ ایک بزرگ ہیں پہلے حالت ایسی ہی تھی بعدہ بڑے شخص ہوئے ہیں) ایک عورت سے تعشق تھا بڑی تمناؤں کے بعد ایک دن کہیں شام کو بات کرنے کا موقع مل گیا اور صورت یہ تھی کہ کھڑکی کے نیچے بات کرنے کھڑے ہوئے تھے۔ ایسے محو ہوئے کہ تمام رات اسی طرح گزر گئی کہ عشاء کی نماز بھی فوت ہوئی۔ جب موذن نے صبح کی اذان دی تو حضرت کیا کہتے ہیں بھلے مانس تجھے بھی آج ہی عشاء کی اذان سویرے کہنی رہ گئی تھی کسی نے کہا، جناب خبر بھی ہے صبح ہوگئی صبح کی اذان ہے منہ پھیر کر دیکھا تو واقعی صبح ہے۔ دل پر اثر ہوا بہت روئے۔ ایک عورت کے خیال میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرض قضاء ہوا۔ ایک بزرگ کے ہاتھ پر توبہ کی اور اس خیال کو چھوڑا پھر صاحب کمال ہوئے اور سبھی کچھ ہوا۔

ایک عورت کی محبت میں یہ حالت ہوتی ہے غور کریں تو آج کل احکام الٰہی کی اتنی بھی تو قدر نہیں جتنی کہ ایک کسبی(۱) کی۔ احکام الٰہی خواہ کیسے ہی سہل ہوں

(۱) رنڈی کے حکم۔

اور سراسر مفید اور حکمت ہی حکمت ہوں مگر شاق ہوتے ہیں اگر کسی انہیں احکام کو کہے جن کو اللہ میاں نے فرمایا تو کچھ تکلیف نہ رہے بلکہ اگر کبھی ان احکام کو بھی کہے جو اللہ میاں کے خلاف ہیں تب بھی کچھ شاق نہ ہوں۔ معلوم ہوا کہ احکام فی نفسہ شاق نہیں صرف محبت کی کسر ہے۔ مسلمان کی شان تو یہ تھی کہ اللہ میاں کے سامنے کالقلم فی یدالکاتب ''جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے'' اور غیر کے سامنے لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا۔ انصاف کی بات ہے کہ اللہ میاں کی طرف سے بندہ پر کس قدر انعام و افضال ہر وقت ہوتے ہیں اور غیر اللہ کی طرف سے خاک بھی نہیں ملتا۔ پر اپنے منعم کے سامنے نرم ہونا چاہئے یا اپنے جیسے عاجز بلکہ دشمن کے سامنے ظاہر ہے کہ منعم ہی کے سامنے ہونا چاہیئے۔

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش

''جب باندھ دیں تو بندھ جاؤ اور جب کھول دیں تو مست ہو کر مالا ہو جاؤ''

ہمچو کلکم درمیان اصبعین نیستم در صفّ طاعت بین بین

''میں قلموں کی طرح دو انگلیوں میں ہوں صف طاعت میں بین بین نہیں ہوں''

مسلمان کی شان

مسلمان کو اللہ میاں کے سامنے ایسا ہونا چاہئے جیسے کاتب کی انگلیوں میں قلم کہ اس کو کچھ عذر نہیں کاتب کو اختیار ہے جس طرف چاہے چلائے اور چلائے یا نہ چلائے کیا غضب ہے کہ اللہ میاں کے ہاتھ میں تو ایسے نہ ہوں اور ہوں کس کے ہاتھ میں نفس کے بت پرستی کو منع کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہر شخص کی بغل میں بت ہے۔ ظاہر کی بت پرستی پر تو طرح طرح کے طعن کئے جاتے ہیں اور ان کو احمق بنایا جاتا ہے اور اپنے آپ کی باطنی بت پرستی میں مبتلا ہیں اور عقلمندی کا دعویٰ ہے

کسی نے ایک بت کو پوجا کسی نے دوسرے کو۔ کیا فرق ہے لات کو پوجنے والے میں اور عزیٰ کو پوجنے والے میں۔ جہاں ظاہری بت پرستی چھوڑی ہے باطنی بھی چھوڑو۔ اپنی باگ نفس کے ہاتھ میں مت دو۔ حق تعالیٰ اپنے منعم حقیقی کے تصرف میں ہمہ تن اپنے آپ کو دے دو۔ احکام الٰہی کے سامنے سر جھکاؤ۔ اتباع تو یہی ہے کہ آدمی اپنے ارادے کو چھوڑ دے ور دوسرے کے ارادے کے تابع ہو جائے دیکھ لیجئے قانون کے سامنے کیا حال ہوتا ہے کہ اپنی خواہش چھوڑنی پڑتی ہے اور حاکم کے حکم کو ماننا پڑتا ہے۔ اب لوگوں نے حق سبحانہ تعالیٰ کے حکم کا اتباع تو بالکل چھوڑ ہی دیا اوروں ہی کا اتباع اختیار کر لیا۔

اتباع کی چیزیں

اتباع کرنے کی دو چیزیں تھیں۔ عقائد اور اعمال۔ اعمال میں تو یہ گنجائش نکالی گئی ہے کہ ہم مجبور ہیں اور یہ احکام مصلحت وقت کے موافق نہیں مگر اب عقائد میں بھی خواہش نفسانی کو ترجیح ہونے لگی ہے اعمال کو پہلے ضروری تو سمجھتے تھے مگر تکلیف سمجھ کر ان کے ادا میں قصور(۱) کرتے تھے اب ان کی ضرورت ہی ذہن سے اڑ گئی۔ ادائے اعمال کو تو چھوڑا تکلیف کی وجہ سے مگر ان کے وجوب کے عقیدہ میں کیا تکلیف تھی ہاں اس میں بھی ایک تکلیف تھی وہ یہ کہ نفس نے دیکھا اگرچہ میں نے ادائے اعمال سے روک دیا مگر تاوقتیکہ ان کے وجوب کا عقیدہ اس کے ذہن میں ہے ممکن ہے کہ پھر کبھی اداء پر مستعد ہو جائے اس وقت پھر مجھے کوئی تدبیر اس کے روکنے کی کرنی پڑے گی اور احتمال ہے کہ روکنے سے نہ رکے اس لئے اس احتمال کے قطع کرنے اور اپنی بار بار کی تکلیف بچانے کے لئے نفس نے یہ تدبیر نکالی

(۱) کوتاہی۔

سرے سے ان کے وجوب کا عقیدہ ہی اڑا دینا چاہئے عقائد اعمال کے لئے بمنزلہ جڑ کے ہیں جڑ کاٹ دینے سے احتمال ہی نہیں رہتا کہ شاخیں پھر ہری ہوں گی عقائد کے بدلنے سے نفس بہت سی تکلیفوں سے بچ گیا۔ ایک صاحب فرمانے لگے کہ دین میں جو کچھ حارج ہے وہ نماز ہے غیر مذہب کے بہت سے آدمی اس وقت اسلام میں آنے کو تیار ہیں مگر یہ خیال مانع ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد نماز پڑھنی ہوگی پانچ وقت کی پابندی سر پڑے گی مولوی لوگ نماز کی قید اٹھادیں تو آج ہی دیکھئے کتنے کافر مسلمان بنتے ہیں اور مسلمانوں کی جماعت کتنی بڑھ جاتی ہے نماز ایسی مولویوں کی ہے کہ معاف کردیں۔

ایک صاحب کہتے ہیں سود کی ممانعت سے افلاس آگیا اور قومیں سود ہی کے ذریعہ سے ترقی کرتی جاتی ہیں غرض جو جس کی سمجھ میں آتا ہے احکام الٰہی میں اصلاح دینے کو تیار ہے گویا اللہ میاں کو یہ بات بتائی جاتی ہے کہ ہم سے رائے لے کر کیوں احکام مقرر نہ کئے تھے۔ کثرت رائے پر کیوں فیصلہ نہ کیا۔

ہم لوگوں کا کیا حال ہے عقائد میں یہ حال اعمال میں یہ حال صورت میں آزادی آمدنی میں حلال حرام کی خبر نہیں۔ زمینداروں نے طرح طرح کے ناجائز ابواب باندھ رکھے ہیں۔ بیع وشراء میں عقد کے صحت و بطلان (۱) کی پروا نہیں آم کی بہار (۲) بکتی ہے حالانکہ آم کا وجود بھی نہیں ہوتا یہ بیع باطل ہے بیع باطل میں مال مشتری کی ملک نہیں ہوتا اس کا ردواجب ہے یکے بعد دیگرے جہاں تک سلسلہ چلا جائے کسی کی ملک نہ ہوگا گناہ ہوتا چلا جاتا ہے غرض معاملات کی صفائی کی طرف اصلا خیال نہیں۔

(۱) خرید وفروخت میں معاملہ درست ہونے کی فکر نہیں (۲) آم کا بور یعنی پھول۔

صحیح طریق تعلیم

زبان غیبت میں اور طعن میں مبتلا قلب حرص میں اور طمع میں گرفتار۔ اونٹ سے کسی نے پوچھا اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی کہا کوئی بھی نہیں۔ ایسی ہی ہم لوگوں کی حالت ہے ظاہر کی طرف دیکھئے وہ ٹھیک نہیں باطن کی طرف نظر کیجئے وہ درست نہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے صرف احکام ہی نازل نہیں کئے بلکہ ایک اتنا بڑا نبی بھیج کر یہ بھی بتادیا کہ اس نمونے کے ہوکر آؤ۔

تعلیم کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ کسی شے کی پیائش زبانی بتادی جائے اور کہہ دیا جائے کہ اتنی لمبی اتنی چوڑی اتنی موٹی بنا کر لاؤ اور ایک طریقہ ہے کہ اس کا ناپ تول بتانے کے ساتھ بنا ہوا نمونہ بھی دکھا دیا جائے کہ آخری صورت ایسی پیدا ہونی چاہئے۔ یہ نہایت ابلغ ہے۔(۱)

خوش نویس لکھنے والوں کو بتایا ہے کہ الف تین قط کا لکھو اور اوپر کی نوک ایسی ہو اور نیچے کی ایسی مگر یہ بتانا کافی نہیں لکھنے والوں کو ہرگز الف بنانا نہیں آسکتا تاوقتیکہ استاد اس کی صورت بھی اپنے ہاتھ سے کھینچ کر نہ دکھائے اگر ہاتھ سے لکھ کر دکھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو استاد کے نخرے اٹھانے کی کیا ضرورت رہتی۔ کتابوں میں سب حرفوں کی پیائش لکھی ہے اسی کو پڑھ کر خوش نویس بن جاتے حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے سو احکام تو ظاہر و باطن کی تحدید کا نام ہے جس سے ظاہر و باطن کی ایک خاص صورت پیدا ہوتی ہے جس طرح کہ تین قط سے الف کے طول(۲) کی حد قائم ہو اور نصف قط یا کم و بیش سے اس کے عرض (۳) کی انتہا مقرر ہو کر ایک خاص صورت پیدا ہو جاتی ہے ممکن تھا کہ اللہ میاں صرف احکام نازل فرما دیتے جو

(۱) بہت عمدہ طریقہ ہے (۲) لمبائی (۳) آدھے قط سے اس کی چوڑائی معلوم ہوئی۔

ظاہر وباطن کی ناپ تول ہیں اور یہ فرمادیتے کہ یہ ناپ تول ہیں ان کو پورا پورا درست کرو یہاں تک کہ وہ صورت پیدا ہوجائے جو ہماری مرضی کے موافق ہو۔ اس وقت معلوم ہوتا کہ ہم لوگ کس قدر حرج میں پڑ جاتے اور کیسی کیسی دقتیں پیش آتیں تمام عمر احکام کی پابندی کرتے اور پھر اطمینان نہ ہوتا کہ وہ صورت پیدا ہوگئی۔ جو حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے مگر نہیں حق تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا احکام بھی نازل فرمائے اور محض اپنی رحمت سے نمونہ بھی دکھادیا کہ اصلاح تردد نہ رہے احکام کی پوری پوری تعمیل ہوگئی یا نہیں اپنی صورت کو نمونے سے ملا کر دیکھ لو ذرا سا بھی فرق ہو تو معلوم ہوجائے گا کس حکم کی تعمیل میں کسر رہ گئی مگر اس رحمت کی کیا قدر ہوئی ہم کس قدر نمونہ کے موافق بن کر آئے۔

اگر درزی کو اچکن سینے کو دو اور وہ ساری اچکن بہت ٹھیک اور خوبصورت بدن کے موافق سیئے کہیں جھول تک نہ رہے سلائی کہیں ٹیڑھی نہ ہو غرض سب طرح ٹھیک ہو صرف ایک آستین کو چار انگل چھوٹا کر لائے تو کیا آپ اس کو لے لیں گے اور کیا یہ بات اس کی سن لیں گے کہ جناب ساری اچکن تو ٹھیک ہے آستین بھی دو ہیں۔ صرف ایک آستین چار انگل کم رہ گئی تو کیا ڈر ہے ہرگز نہیں بلکہ اس اچکن کو آپ اس کے سر دے ماریں گے اور اگر اس نے قصداً ایسا کیا ہے تو قیمت واپس لینے پر بھی اکتفا نہ ہوگا کچھ جرمانہ بھی لیا جائے گا۔ حالانکہ نمونہ سے صرف چار انگل مخالفت ہے۔

یہاں نمونہ سے چار انگل بھی مطابقت نہیں اللہ میاں کا حکم تھا کہ نمونہ کے مطابق ہو۔

ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔

''اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبّ کریں گے''

ما انا علیہ واصحابی (۱)'' فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین''

نئی تراش خراش

افسوس مسلمانوں نے ہر بات میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف کیا۔ جو وضع بتائی اس کے خلاف وضع تراشی، نکاح نیا تراشا، اخلاق نئے اختیار کئے، اب عقائد میں بھی تراش خراش ہونے لگی اور پھر لطف یہ ہے کہ دعویٰ ہے اتباع کا۔ معلوم نہیں کہ اتباع کس چیز کا نام ہے۔ اگر کوئی ایسے لوگوں کو دیکھے تو کیا کہہ سکتا ہے کہ یہ قوم اس نبی ﷺ کے گروہ سے ہے گروہ میں ہونے کے لئے کسی بات میں بھی مطابقت نہیں بلکہ جان بوجھ کر مخالفت کی جاتی ہے۔ اس گروہ میں ہونا تو کہاں اب تو اس گروہ کے لوگوں سے ملنا بھی نہیں چاہتے کیونکہ اس گروہ میں ترقی نہیں ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے لکھنؤ میں بیان کیا کہ آج کمیٹی ہوئی جس میں ان اسباب پر بحث کی گئی جو مسلمانوں کو ترقی سے روک رہے ہیں بہت سے اسباب بیان کئے گئے آخر میں یہ طے ہوا کہ مذہب مانع ہے ترقی سے اس کو چھوڑ دینا چاہئے یہ نوبت پہنچ گئی ہے۔

اس لا متناہی (۲) ترقی ہی نے خرابی ڈالی ہے جو کچھ ڈالی ہے کہیں اس ہوس کی انتہا بھی ہوگی حالانکہ یہ ترقی ہرگز اطاعت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اطاعت میں کچھ نہ کچھ پابندی ضرور کرنی پڑے گی اور یہ ترقی مطلق العنانی کو چاہتی ہے۔ یہ ترقی وہی حاصل کرسکتا ہے کہ نہ دیکھے کہ روپیہ حق سے آیا نہ یہ دیکھے کہ ناحق سے آیا۔ چوری سے وہ نڈر رہے ظلم سے اسے خوف نہ ہو روپیہ حاصل ہو جس طرح

(۱) اتحاف السادۃ المتقین ۱:۵۱،۲:۵۱،۸:۱۳۹،۱۴۱، تفسیر ابن کثیر ۴:۲۱۳۰ (۲) لامحدود۔

ہو حالانکہ قطع نظر خلاف دین ہونے سے ایسا مال دنیا ہی میں فلاح نہیں دیتا بلکہ جس راہ سے آیا تھا اسی راہ جاتا ہے اس میں برکت مطلق نہیں ہوتی رشوت کے ہزار اور حلال کے سو برابر ہیں۔ جو غرض ہے روپیہ سے وہ حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ بیان کیا گیا تو اب سوچو اپنے اوپر ایسی چیزیں کیوں لازم کرلیں جن کے لئے کوئی تعداد روپیہ کی کافی نہیں ہوتی اور کسی مرتبہ ترقی پر بس نہیں کیا جاسکتا یہ چیزیں لازم کس نے کیں اسی ہوائے نفس نے حق سبحانہ تعالیٰ نے اسی کا علاج بتایا ہے اب میں اسی پر بیان کو ختم کرتا ہوں۔

خواہش نفسانی کا علاج

غرض سارا فساد خواہش نفسانی سے ہوا ہے سو علاج کیا ہے نفس کو خواہش سے روکو مرض کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے مادہ اور سبب کو قطع کیا جائے جب سبب جاتا رہے گا مرض بھی جاتا رہے گا۔ مسلمانوں نفسانی خواہشوں کو چھوڑو اور حق سبحانہ تعالیٰ کی اطاعت کرو کیا اللہ میاں کا کچھ حق نہیں ہے آپ لوگوں کو دیکھئے اللہ میاں ایسے ایسے امراض کا علاج بتاتے ہیں جن کو تم اپنے آپ کسی طرح سمجھ نہ سکتے اور وہ اندر ہی اندر تمہارا کام تمام کرڈالتے ۔ تعجب ہے کہ طب اکبر کی قدر ہو مگر احکام الٰہی کی قدر نہ ہو جانتے ہیں کہ طب اکبر کے خلاف کریں گے تو صحت محفوظ نہ رہے گی اور مرض گھیر لے گا صاحبو! طب اکبر پر عمل نہ کرنے سے صحت جسمانی میں خرابی آتی ہے اور احکام الٰہی پر عمل نہ کرنے سے قلبی اور روحانی صحت برباد ہوتی ہے پھر جو شرف قلب اور روح کو جسم پر ہے وہی اس کی صحت کو اس کی صحت پر اور اس کے محافظ کو اس کے محافظ پر ہونا چاہئے اس سے سمجھ لیجئے کہ احکام الٰہی کیا یا عظمت ہونی چاہئے۔

اللہ میاں کا بتایا ہوا علاج کس قدر قابل قدر چیز ہے وہ علاج یہی ہوائے

نفس کو چھوڑنا ہے اس کا آسان طریق میں بتلائے دیتا ہوں چند روز کرنا پڑے گا بہت ہی تھوڑے دنوں میں ان شاء اللہ نفع معلوم ہوگا۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ہر کام ابتداء میں تکلیف سے ہوتا ہے پھر کرتے کرتے اس میں ملکہ راسخہ ہوجاتا ہے(۱) سو آپ اس کا التزام کر لیجئے کہ کوئی قول کوئی فعل معاً دل میں آتے ہی نہ کر ڈالا کیجئے کہ وہ خواہش نفس کے موافق ہوگا بلکہ ہر کام سے پہلے ذرا سوچنا چاہئے۔ اس کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جو کام کیا جائے پہلے سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق تعالیٰ کے خلاف تو نہیں۔ یہ میرے لئے مفید ہے یا مضر بے دھڑک ہوکر کام کرنے کی عادت بالکل چھوڑ دی جائے۔ اول اول یہ ذرا شاق ہوگا مگر تھوڑے دنوں میں عادت ہوجائے گی۔ اس کا ہر کام میں خیال رکھو۔ یہ حالت ہوجائے کہ بات منہ سے نکالنی ہے مگر رک گئے کہ حق تعالیٰ کا امر کیا ہے اور نفس کی خواہش کیا ہے جس بات میں نفس کی خواہش پائی اس کو زبان سے نہ نکالا نہ اس پر عمل کیا۔

رہی یہ بات کہ تمیز کیوں کر ہو، حق تعالیٰ کے امر (۲) اور نفس کی خواہش میں اس کے لئے علم دین کی ضرورت ہے۔ تھوڑا علم ضرور چاہئے، کتاب نہیں پڑھ سکتے ہو تو پوچھ لو چند روز یہی عادت ڈالو۔ اس سے کسی قدر آپ کے بولنے میں کمی ہوگی اور کسی قدر آپ کے کھانے میں کمی ہوگی۔ مگر جس وقت لذت اس کی حاصل ہوگی تو آپ پھر تھوڑے کو بہت پر ترجیح دیں گے تھوڑی چیز ہو اور اچھی ہو وہ اس سے بہتر ہے اس سے کہ بری ہو اور بہت ہو غلیظ کتنا ہی ہو ایک چمچہ فیرنی پر اس کو ترجیح نہیں ہوسکتی۔ جب طاعت میں کسی کو لذت آنے لگتی ہے تو معصیت کی حقارت اس کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ پھر معصیت کا کرنا اس سے زیادہ دشوار ہونے لگتا ہے جتنا کہ پہلے طاعت کرنا تھا۔ (مسلمان پر طاعت کرنے میں عادی

(۱) اسکی عادت ہوجاتی ہے (۲) اللہ کے حکم۔

ہونے سے پہلے بھی جو بار ہوتا ہے وہ ایک کلفت ہوتی ہے کہ نیا کام کرنے میں محسوس ہوتی ہے جیسا کہ دیگر امور عادیہ میں تغیر ہونے سے معلوم ہونے لگا کرتے ہیں۔ ورنہ طاعت کو کر کے تو مسلمان کو ہمیشہ نشاط اور فرحت ہی ہوتی ہے) عادی ہو جانے کے بعد تو معصیت سے نفرت ہو جاتی ہے اور اگر احیاناً معصیت ہو بھی گئی تو طبیعت سست رہتی ہے اور کسی طرح چین نہیں آتا تاوقتیکہ استغفار نہ کر لے۔

طاعت کی لذت

طاعت میں عجب لذت ہے کہ آدمی لاکھ روپیہ پر ایک نماز کو ترجیح دیتا ہے کوئی بات تو ہے کہ اگر مسلمان سے کہیں کہ لاکھ روپے لے لے اور آج ظہر کی نماز نہ پڑھ تو روپیہ نہ لے گا اور ظہر پڑھے گا ضرور کوئی ایسی چیز پاتا ہے کہ لاکھ روپے سے زیادہ ہے حالانکہ ہماری نماز کچھ نماز نہیں اول سے اخیر تک کوئی رکن بھی قابل اعتبار نہیں۔ نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل ادھر ادھر ہے زبان سے قراءت کر رہے ہیں مگر مطلق خبر نہیں کہ اللہ میاں سے کیا کہہ رہے ہیں خیریت یہ ہے کہ زبان الفاظ پر حاوی ہوگئی آپ ہی آپ قراءت کر لیتی ہے۔ ورنہ باعتبار احکام ظاہری بھی عدم صحت کا فتویٰ (۱) دیا جاتا اور اعادہ واجب ہوتا۔ سر سجدہ میں ہے مگر خیال اور ہی کہیں ہے اس حالت پر بھی آدمی لاکھ روپیہ سے زیادہ کوئی چیز اس میں پاتا ہے کہ لاکھ روپیہ پر اس کو ترجیح دیتا ہے اور اگر نماز نماز ہو جائے تو اندازہ کر لیجئے کہ کیا اثر رکھے۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند ‌‌ ‌‌ ‌‌ ‌‌ صاف گر باشد ندانم چوں کند

''جب شراب کا ایک گھونٹ مٹی میں مل کر مجنون بنا دیتا ہے تو خالص شراب کیا کچھ نہ کرے گی''

واقعی طاعت وہ چیز ہے اگر اس میں ایک لحظہ کا لطف بھی میسر ہو جائے تو

---

(۱) صحیح نہ ہونے کا حکم لگایا جاتا۔

آدمی دنیا و مافیہا کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ خواہش نفسانی کا تو دشمن ہو جائے نفس کے پھندے میں آدمی جب ہی تک آتا ہے جب تک کہ طاعت کی لذت سے واقف نہیں ہوا عادت ڈالیے پھر لذت آنے لگے گی اور کچھ کلفت نہ رہے گی۔ ابتداء میں کسی قدر کلفت (۱) ضرور ہوتی ہے۔

غرض یہ عادت ڈالنی چاہئے کہ ہر کام کو سوچ کر کرے۔ اگر وہ کام خواہش نفس سے ہو تو نہ کیا۔ اس طرح معصیت چھوٹ جائے گی اور طاعت ہی طاعت رہ جائے گی۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ترک ہوائے نفس کے لئے معین ہے خوف (۲)۔ اور یہ ظاہر بھی ہے جس کام سے بھی کوئی باز رہتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو صرف خوف سے باز رہتا ہے جسمانی سزا کا خوف ہو یا مال کے نقصان کا یا ہم چشموں میں سبکی کا یا جس چیز کا بھی ہو مگر ہوگا خوف ہی ڈاکو ڈاکہ کیوں نہیں ڈالتا، سزا کے خوف سے۔ بچہ شرارت سے کیسے رکتا ہے پٹنے کے خوف سے۔ بہت سے جرائم سے لوگ باز رہتے ہیں جرمانہ کے خوف سے محفل میں آدمی تہذیب سے کیوں بیٹھتا ہے اور خلاف متانت حرکات سے کیوں باز رہتا ہے سبکی کے خوف سے وعلیٰ ہذا۔ خوف ہی تو اٹھ جاتا ہے جو ملک میں امن قائم نہیں رہتا اور غدر ہو جاتا ہے۔ خوف ہی ہے کہ جملہ برائیوں کی جڑ کاٹنے والا ہے۔ خوف ہی ہے کہ جملہ طاعت کا ذریعہ ہے۔

البتہ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ خوف تو ہر مومن کو ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ہوائے نفسانی نہیں چھوٹتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ خوف کا استحضار نہیں اور استحضار نہ ہونے (۳) کی وجہ صرف ایک ہے عذاب کا نہ سوچنا۔ پس منتہائے معالجہ یہ سوچنا ہوا

(۱) تھوڑی سی پریشانی (۲) نفسانی خواہشات کے ترک کرنے میں خوف خدا مددگار ہے (۳) پیش نظر ہونے کی وجہ۔

اس سے خوف کا غلبہ واستحضار ہوگا جو ترک ہوا کے لئے کافی ہوجاوے گا۔

طاعت کی تدبیر

اب صرف اس کا طریق سہل بتائے دیتا ہوں کہ سوچنا شروع کیجئے اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کیجئے مثلاً سونے کا وقت اس وقت آپ کے کسی دنیا کے کام میں بھی حرج نہ ہوگا دنیا کے لئے تو سارا وقت دیا ہے اللہ میاں کے لئے نکما ہی وقت دو۔ اتنا تو کرو۔ اللہ میاں اس میں تمہارا کام بنادیں گے۔ وہاں تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ بندہ ذرا ادھر کو منہ کرے اور رحمت کے انبار اس پر بکھیر دیں۔ پندرہ بیس منٹ دیر میں سوئے لیٹ کر یا بیٹھ کر یاد کیا کیجئے کہ آج کیا کیا گناہ کئے۔ فہرست گناہ تیار کیجئے پھر دل میں خیال جمائیے۔ گویا میدان قیامت موجود ہے اور میزان کھڑی(۱) ہے اپنا مددگار کوئی بھی نہیں دشمن بہتیرے ہیں حیلہ کوئی چل نہیں سکتا۔ زمین گرم تانبے کی طرح کھول رہی ہے آفتاب سر پر دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہورہا ہے کوئی جواب معقول بن نہیں پڑتا۔ یہ سب حالات پیش نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو معذرت کرے گا کہ بے شک خطاوار ہوں کہیں ٹھکانا نہیں اگر کچھ سہارا ہے تو صرف حضور کے رحم کا۔ اسی کو استغفار کہتے ہیں رات کو یہ کیجئے پھر صبح اٹھ کر یاد رکھئے کہ کل فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان سے استغفار اور عہد کیا ہے۔ سو آج وہ گناہ نہ ہونے پائے۔ اس سے اگر اسی دن تمام گناہ یک لخت نہ چھوٹ جائیں گے تو کمی تو ہوہی جائے گی۔ اور چند روز میں تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ گناہ رہ سکیں یہ ایسی تدبیر ہے کہ چند ہی روز کرنے سے آدمی معاصی سے بالکل محفوظ ہوجاتا ہے اور دل میں گناہ کے وقت خود ایک ہراس پیدا ہوجاتا ہے۔

(۱) وزن اعمال کی ترازو قائم کی گئی ہے۔

پھر اس کے لئے علم کی ضرورت ہوگی کہ معلوم ہو یہ کام معصیت ہے اور یہ طاعت۔ سو علم دین حاصل کیجئے اور اگر کم فرصتی کا عذر ہے تو چند کتابیں اردو میں منتخب کردی گئی ہیں۔ ان کو کسی سمجھدار سے سبقا سبقا پڑھ لیجئے رفع ضرورت کے لئے کافی ہے۔ کتابوں کو خود نہ پڑھئے کہ اس سے طبعیت میں پہلے سے جو اشکال ہوتے ہیں وہ حل نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات نئے اشکال پیدا ہوجاتے ہیں اور باعث مضرت ہوتے ہیں۔

حاصل سارے وعظ کا یہ ہوا کہ جنت مطلوب ہے اور اس کا ذریعہ ہے ترک ہوا اور اس کا معین ہے خوف اور اس کا طریق ہے مراقبہ جب مراقبہ کیا خوف پیدا ہوا۔ اس سے خواہش نفسانی چھوٹ گئی۔ اس پر نتیجہ مرتب ہوا فان الجنة هی الماویٰ ''پس جنت اس کا ٹھکانا ہوگا'' اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فہم اور توفیق عطا فرماویں۔ آمین۔ (۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

(۱) اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۶ دسمبر ۲۰۱۳ء

t